خدا کی تلاش میں

آغا نوید

سارنگ پبلیکیشنز

الکو مینشن، پٹیالہ گراؤنڈ، 14- لنک میکلوڈ روڈ، لاہور

39
S
10B

خُدا کی تلاش میں

آغا نوید

سارنگ پبلیکیشنز

الکو مینشن، پٹیالہ گراؤنڈ، 14۔ لنک میکلوڈ روڈ، لاہور

خوش ذوق قارئین کیلئے
تخلیقی تحقیقی کتابوں کی اشاعت

سارنگ پبلیکیشنز

تزئین و اہتمام

پروین ملک، وسیم گوہر

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

سرورق ———— آغا نوید

پرنٹر ————

قیمت ———— ۱۰۰ روپے

بارِ اوّل ———— ۱۹۸۵ء

بارِ دوم ———— ۱۹۸۸ء

بار سوئم ———— ۱۹۹۲ء

بار چہارم ———— ۱۹۹۷ء

ترتیب

حرف آغاز	۷
پیش لفظ	۸
آغاز	۱۷
مذہبی راہنما	۲۱
عالم	۲۴
فلاسفر	۲۶
ادیب	۲۹
سائنسدان	۳۱
وکیل	۳۳
شاعر	۳۵
سیاست دان	۳۸
ڈاکٹر	۴۰
مریض	۴۲
نفسیات دان	۴۳
سنگ تراش	۴۶
مصور	۴۸
اداکار	۵۰
موسیقار	۵۲
گلوکار	۵۴

طوائف	۵۶
عاشق	۵۸
محبوب	۶۰
بچہ 'ماں 'باپ	۶۲
استاد	۶۴
طالب علم	۶۶
نوجوان	۶۸
فقیر راہگزر	۶۹
کسان	۷۰
مزدور	۷۲
بھوکا	۷۴
امیر	۷۶
شرابی	۷۸
پاگل	۸۱
اندھا	۸۴
کھلاڑی	۸۶
قاتل	۹۳
منافق	۹۶
انقلابی دہریہ	۱۰۰

حرفِ آغاز

کافی مدت ہوئی انگلستان کے شہرہ آفاق تمثیل نگار جارج برنارڈشا نے ایک ناولٹ کے انداز میں کتاب لکھی تھی جس کا نام تھا Black Girl Insearch of God یعنی "خدا کی تلاش میں ایک سیاہ فام لڑکی کی سعی و جہد"۔

اس تحریر کا جذباتی ردعمل کافی شدید تھا۔ ایک مسلمان مصنف نے اس کا اپنے انداز میں جواب لکھا تھا مگر یہ کتاب "شا" کی تصنیف کی طرح ذہنوں میں غور و فکر کی کوئی تحریک پیدا نہ کر سکی۔

خدا کی تلاش .... نسل انسانی کا غالباً" سب سے پرانا مسئلہ ہے اور قرن ہا قرن سے بے شمار ایسے ادارے وجود پذیر ہوتے رہے ہیں جنہوں نے اس مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کی ہے۔ سوائے مذہب کے کوئی ادارہ بھی اسے حل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ کوئی بھی مسئلہ ہو' اس کا تعلق زندگی کے کسی بھی شعبے سے ہو صرف اس وقت حل ہوتا ہے جب کسی مذہب کے پیروکار منطقیانہ غور و فکر کی بجائے یقین و اذعان سے کام لیں اور یقین و اذعان کی متاع گراں بہا فقط مذہب مہیا کر سکتا ہے۔

شا کی سیاہ فام لڑکی کی مانند عصر حاضر کے ایک نوجوان آغا نوید نے بھی "خدا کی تلاش" کی ہے' اور اپنی ذہنی کیفیات کو ایک کتاب کے اندر سمیٹ لیا ہے۔

مسئلہ بہت بڑا ہے اور آغا نوید اکیس برس کا ایک نوجوان جس نے ابھی دنیا دیکھی ہی نہیں' جو زندگی کے بیشتر مراحل سے ابھی گزرا ہی نہیں اور جس کے متعلق بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ وہ نہ تو زندگی کا شہد پوری طرح چکھ سکا ہے اور نہ اس کے ہونٹ زہر کی کیفیت سے آشنا ہو سکے ہیں مگر میں یہ بات پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ

اس کی ذہانت اس کی عمر سے بہت آگے نکل گئی ہے۔ میں نے اتنی مختصر سی عمر میں اتنی بے پناہ ذہانت والا نوجوان کبھی نہیں دیکھا تھا۔

آغا نوید کی ذہانت اپنی جگہ مسلم ——— لیکن زندگی کا اتنا اہم نہایت پیچیدہ اور حقیقی معنوں میں جنون افزا مسئلہ صرف ذہانت کا متقفی نہیں ہے۔ اس کے لئے ذہانت سے زیادہ بہت زیادہ لگن کی ضرورت ہوتی ہے۔ عقیدے کی پختگی کی ضرورت ہوتی ہے۔ لگن اور آہنی عقیدہ ہو تو انسان بلا تکلف آتش نمرود میں کود پڑتا ہے اور عقل محو تماشا بہ لب بام رہ جاتی ہے۔

نوید کا یہ اقدام جرأت مندانہ ہے کہ وہ "خدا کی تلاش" میں نکل پڑا ہے۔ وہ معاشرے کے نمائندہ افراد سے خدا کی ہستی کے بارے میں سوال کرتا ہے اور جو کچھ سنتا ہے اپنے طور پر اسے غور و فکر کا مرکز بناتا ہے۔ اخذ نتائج میں اپنی عقل اور وجدان سے کام لیتا ہے۔ عقل سے کم اور وجدان سے زیادہ۔ یہ اس کی ہمت بلند کا نتیجہ ہے کہ وہ اپنے سفر میں کہیں بھی رکتا نہیں اور مسلسل آگے بڑھتا چلا جاتا ہے اور اس کا یہ سفر ایک مہم ہے جسے وہ جوش و ولولہ سے جاری رکھتا ہے۔ مجھے آغا نوید کی جرأت رندانہ پر فخر ہے بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ نژاد نو کو اس پر فخر کرنا چاہئے کہ اس کا ایک رکن خار اشگافی کے اس جوہر سے بہرہ مند ہے جو تلاش حقیقت کے لئے لازمی ہے۔

آغا نوید ان نوجوانوں میں ہے جو ستاروں پر کمند ڈالتے ہیں۔ اور ایسے نوجوانوں سے اگر اقبال محبت کرسکتا ہے تو ہم کیوں نہیں کرسکتے۔

میرزا ادیب

لالہ صحرا چوہان روڈ

کرشن نگر، لاہور

---

(1)- جب اس کتاب کا پہلا ایڈیشن شائع ہوا تو مصنف کی عمر محض 21 برس تھی۔

پیش لفظ

خدا موجود ہے کہ عدم موجود ہے تو کیسے؟ عدم ہے تو کیونکر؟ ذہن میں اٹھتے ہوئے ایسے ہی بے شمار سوالوں کا جواب دراصل یہ تحریر ہے۔ یہ سب سوالات جو ایک منتشر ذہن کی چند مربوط لہروں میں بنے اور ربط کا یہ سلسلہ قلم سے اترتے ہوئے قرطاس پر تخیلات و محسوسات و خیالات کو ایک جال کی صورت بنتا ہوا تصورات کے سمندر میں بکھر گیا ہے جس میں مجھے اپنی سوچ کے کئی زاویے جکڑے ہوئے نظر آتے ہیں اور چونکہ خدا کے تصور سے ذہن میں ابھرتے ہوئے بے شمار رجحانات و نظریات اپنی اس تحریر میں ایک مسلسل زنجیر کی صورت بندھے ہوئے محسوس کرتا ہوں اس لئے منتشر ذہن کا یہ مربوط عکس میرا سرمایہ ہے اور یہی میرے لئے اس تحریر کا ایک اہم حوالہ ہے۔

اس تحریر میں جو کچھ درج ہے میری سوچ کا اثاثہ ہے کہ اسکا ہر لفظ میرے ذہن کی پرواز ہے اور پرواز جو آسمان کو تسخیر کرنے اور پستیوں سے بلندیوں کی طرف سفر کرنے جیسے دونوں عوامل کو خود میں جذب کئے ہوتی ہے۔ مگر یہاں میرے الفاظ کی تمام پروازیں ان پستیوں کے شکم سے جنم لے رہی ہیں۔ جہاں سے میری شخصیت کی پہلی اڑان پر پھیلائے منتظر سفر ہے۔ اس لئے یہ سب سوچیں جو آپ کے ذہنوں پہ دستک دیں گی میری ہیں اچھی ہیں یا بری ہیں سب میرے ذہن کی پیدائش ہیں۔

ہوسکتا ہے کہ میری یہ سوچیں کہیں کسی حوالے سے مل گئی ہوں۔ کسی موڑ پر یہ سنی ہوئی باتیں لگیں یا کہیں پڑھے ہوئے الفاظ لگیں تو یہ کوئی اچھنبے کی بات نہیں کہ جیسے دور آسمان اور زمین باہم ملتے ہوئے نظر آتے ہیں مگر حقیقت میں ایسا نہیں ہوتا کہ یہ تو ہماری کم نظری کا کرشمہ ہے کہ جیسے میری کم علمی کئی مقامات پر ایسی باتیں تحریر کر

جائے جن کے ہونے کا مجھے پہلے سے علم نہیں حالانکہ حقیقت میں یہ دو علیحدہ ذہنوں کی سوچیں ہیں۔ جو مختلف ادوار مختلف حالات اور مختلف تقاضوں کے زیر اثر لکھی گئیں اس لئے یہ تحریر کہیں بھی باہم ملتی نظر آئے تو یہ حقیقت میں محسوسات کی سچائی کو ظاہر کرتی ہے جو ہر دور کا انسان سوچتا آیا ہے۔

ہاں البتہ میں نے محسوسات کے اظہار میں جو نیا پن اختیار کرنے کی کوشش کی وہ یہ ہے کہ میں نے اپنی سوچ کے اظہار کو ہر دو رخ سے جاری رکھا ہے یعنی موجود سے عدم اور عدم سے موجود!

گو یہ اظہار کا ایک مشکل سفر ہے کہ خدا کی تمام امکانی اور غیر امکانی راہوں کو اپنی سوچ کے خانوں میں تقسیم ہوئے بغیر مربوط کردیا جائے مگر جب اظہار کا مقصد اپنے خیالات کی سچائی کی ترویج بن جائے اور پھر وجود کی تمام قوتیں بلا تعصب اس عمل کی شریک ہوجائیں تو پھر تمام مشکلیں عزم کی لو پہ پگھلنے لگتی ہیں۔ مجھے اپنی انہی باتوں میں جو بات سب سے زیادہ وضاحت طلب محسوس ہورہی ہے وہ یہ کہ میری اس تحریر کے لکھے جانے کے مختلف تقاضے کیا ہیں! کہ مختلف ادوار میں زندہ رہنے والے لوگوں کے حالات تو ایک جیسے ہوسکتے ہیں۔ مگر محسوسات کے تقاضے ہر بشر کے علیحدہ علیحدہ اور میرے ان تقاضوں نے بھی میرے محسوسات میں جنم لیا ہے کہ جب اپنے اردگرد کے ماحول میں ظلم بے انصافی' ننگ' بھوک' بیماری' مفلسی' بے حسی' بے بسی۔ انسانوں پر انسانوں کی اجارہ داری ہماری زمین کو تقسیم کرتی ہوئی جاگیرداری' انسانوں کی تقدیروں کے فیصلے کرتی سرمایہ داری مذہب کی تجارت۔ عورت کی بے حرمتی انسانوں کے ہاتھوں انسان کا قتل' تڑپتے' سسکتے اور بکتے جسم' مجبور و رنجور و مقہور وجود جیسے عوامل کو دیکھتا ہوں تو یہ سب محسوسات بن کر میرے ذہن کو منتشر کرتے ہیں اور یہ انتشار مجھ سے اظہار کا تقاضا کرتا ہے اور جواب چاہتا ہے ان تمام وجوہات کا تو میں بندہ ناتواں خدا کی تلاش میں سرگرداں ہوجاتا ہوں کہ سنا ہے کہ وہی ہے جس نے یہ کائنات بنائی اس

میں یہ دنیا بسائی تو پھر وہی اس کا جواب بھی دے سکتا ہے تو کیوں نہ اس خدا کو ڈھونڈا جائے۔ ہو سکتا ہے کہ لوگ میری اس تحریر کو ایک خاص نظریے میں رچا ہوا محسوس کریں مگر جب سچائی نظریہ بن جائے تو اس کی تکمیل کے لئے عمل میں تجسس اور تقدس کے جواہر قلم کی راہنمائی کرتے ہیں کہ میرے نزدیک آدمی کا نظریہ اسے عمل پر مجبور کرتا ہے اور عمل کائنات کی سب سے بڑی سچائی ہے اور یوں سچائی کا راہبر نظریہ بنتا ہے اور میں نے بھی اس سچائی کے حصول کی جستجو کی ہے اور اس جستجو میں میرے وجود کا ہر عضو میرا شریک ہے کہ جس نے میری قلم کو اپنی سب قوتیں سونپ دیں۔

جانتا ہوں کہ اس کتاب کو پڑھنے والوں کا ایک تہائی حصہ خدا کے ہونے نا ہونے کے دو ٹوک نتیجے کے تجسس کو دل میں چھپائے ہوگا۔ اور جو شاید ایک فطرتی عمل ہے کہ انسان کے لئے سب سے زیادہ اذیت غیر یقینی کیفیات میں ملفوف ہوتی ہے۔ اس لئے میں نے بھی ایک واضح نقطہ نظر کو اپنایا ہے یہ نقطہ نظر مثبت ہے کہ منفی موجود ہے کہ عدم یہ قاری کی ذہنی سطح پر منحصر ہے کہ میرے نزدیک مصنف کا کام صرف تحریر میں خوب صورت نقش چھوڑنا ہی نہیں پڑھنے والے کے ذہن کو جھنجوڑنا بھی ہے۔

آغا نوید

یکم مئی ۱۹۸۳ء

پہلی بار یہ کتاب کیسے چھپی؟

1983ء میں جب مارشل لاء کے ایک کیس میں گرفتار کر کے مجھے I.S.I سینٹر لے جایا گیا تو اس وقت میری یہ کتاب صرف چھپنا باقی رہ گئی تھی جبکہ اس کی کاپی جڑ چکی ہوئی تھی اور ٹائٹل تیار ہو چکا تھا۔ گویا اگر اس وقت صرف ایک ہفتہ دیر سے گرفتار ہوتا تو یہ کتاب 1983ء میں ہی چھپ گئی ہوتی' مگر میری گرفتاری سے نہ صرف یہ کام التواء میں پڑ گیا بلکہ اس کتاب کا چھپ جانا ایک بہت بڑا مسئلہ اس لئے بن گیا کہ میری گرفتاری کے ساتھ ساتھ بااختیار لوگوں نے میری لائبریری سے بہت سی کتابیں اور اس کتاب کا اصل مسودہ بھی اٹھا لیا۔ (یہ اشیاء مجھے رہائی کے بعد ملیں تو تقریباً" ضائع ہو چکی تھیں) مگر اس کی کتابت شدہ کاپی پریس میں ہی محفوظ رہی۔ لیکن مسئلہ یہ تھا کہ میرے سوا کسی کو یہ علم نہ تھا کہ یہ کاپی کون سے پریس میں پڑی ہے اور اس کا ٹائٹل کہاں ہے اور پھر اس سے بھی بڑا مسئلہ یہ تھا کہ لال قلعے اور شاہی قلعے سے کوئی پیغام کسی کو بھیجنا ناممکن تھا۔ اس لئے اس قلعے کی اسیری کے دوران مجھے سب سے بڑی فکر یہی تھی کہ کہیں یہ کتاب ضائع نہ ہو جائے اور میرے لئے وہاں رہتے ہوئے یہی سب سے بڑی اذیت تھی۔ آخر قریباً" دس ماہ بعد جب کوٹ لکھپت جیل میں میرے گھر والوں سے میری ملاقات ہوئی تو سب سے پہلے میں نے انہیں اس کتاب کو ہر صورت شائع کرنے کی تلقین کی مگر میرے گھریلو حالات ایسے نہ رہے تھے کہ وہ اس کتاب کا بقیہ خرچ بھی برداشت کر سکتے۔ لہٰذا جب اس مسئلے کا میرے دو دوستوں بصیر چاند اور کامران ظفر کو پتہ لگا تو انہوں نے اس کتاب کی اشاعت کا بیڑہ اٹھایا۔

25 اگست کو میں جیل کی کوٹھڑی میں اکیلا بند تھا اور شدت سے اپنی ملاقات کے آنے کا انتظار کر رہا تھا کہ قریباً" ڈیڑھ بجے ہماری بارک کی ملاقاتیں اندر آئیں تو میں

نے جیسے ہی اپنی بڑی بہن ملیحہ وقار کو اپنی ملاقات کے لئے آتے دیکھا تو میری نظر فوراً" ان کے ہاتھوں پر گئی جس میں انہوں نے کچھ کتابیں پکڑی ہوئی تھیں۔ میں یہ دیکھ کر یکدم چیخ اٹھا کہ "کیا میری کتاب چھپ گئی؟" وہ اثبات میں مسکراتے ہوئے جب سلاخوں کے قریب آئیں تو میں ایسا بدحواس ہوا کہ ان سے سلام دعا لینے کے بجائے فوراً" کتابوں پر جھپٹا تو ایک خواب پس زنداں میرے ہاتھوں میں تعبیر بن چکا تھا اور ایک مدت سے روح اور بدن پر بڑھتی ہوئی تمام اذیتیں اپنے احساس کا اثر کھو بیٹھیں۔ مجھے کچھ یاد نہیں کہ اس روز میری گھر والوں سے کیا باتیں ہوئیں مگر وہ اک احساس جو آج بھی میری زندگی کی ایک خوبصورت ترین ساعت ہے میرے وجود میں روشن ہے۔

اس واقعہ کا مختصر سا اظہار میرے لئے اس لئے ضروری تھا کہ یہ واقعہ اگر یوں نہ ہوا ہوتا تو شاید مجھے ان لفظوں کے لکھنے کی بھی ضرورت نہ پڑتی۔ اس لئے کہ ممکن ہے کہ اس کی نوبت ہی نہ آتی۔

آغا نوید

لاہور

"خدا کی تلاش میں" چند معروف دانش وروں کی نظر میں

ڈاکٹر مبشر حسن

نوید کی خوبی یہ ہے کہ یہ نوجوان نہ چپ رہ سکتا ہے اور نہ اکیلا۔ یہ اپنے ذہن کی الجھنوں اور صفائیوں میں ہر کسی کو شریک کرنا چاہتا ہے۔ یہ چاہتا ہے کہ جو سچائی یہ پائے ہر کوئی پالے۔ جس سفر پر یہ روانہ ہو ہر کوئی روانہ ہوجائے۔ "خدا کی تلاش میں" نوید کی انہی آرزوؤں کا مظہر ہے۔

ڈاکٹر انور سجاد

مجھے یاد ہے کہ جب ہم آغا نوید کی عمر کے تھے تو اس مسئلے پر سوچ کر ہی لرز جاتے تھے کہ کہیں ہم دوزخ میں نہ چلے جائیں، مگر میں داد دیتا ہوں آغا نوید کے حوصلے کی کہ اس نے اتنی چھوٹی سی عمر میں وہ کام کر دکھایا کہ جو بزرگ بھی نہیں کر سکے۔ اس کتاب کی بڑی خوبی اس کا سقراطی انداز تحریر بھی ہے کہ جس کے ذریعے آغا نوید نے خدا سے متعلق بڑی بڑی اہم فلسفیانہ موشگافیاں اپنی انتہائی زیادہ علمی و فکری صلاحیت سے حل کی ہیں۔

آئی۔ اے۔ رحمان

مجھے یہ کتاب پڑھ کر انتہائی خوشی ہوئی کہ ہمارے ملک میں بھی بے پناہ صلاحیتوں کے حامل نوجوان موجود ہیں کہ جو آگے چل کر اس ملک کی فکری و ادبی و سیاسی راہنمائی کر سکتے ہیں۔

سید افضل حیدر

آغا نوید نے لکھا ہے کہ یہ کتاب اس کی پہلی اڑان ہے۔ تو میں صرف یہ کہوں گا کہ اگر پہلی اڑان اتنی بلند ہے تو انتہا کیا ہوگی۔

مستنصر حسین تارڑ

میں نے اس کتاب کو ایک کی بجائے دوبار پڑھا تو مجھے احساس ہوا کہ آغا نوید ایک عام نوجوان نہیں بلکہ یہ ہمارے سماج کے اس طبقے سے تعلق رکھتا ہے کہ جو ہمارے ہاں ناپید ہوتا جارہا ہے یعنی اپنے نظریات سے مخلص اور سنجیدہ طبقہ۔

روزنامہ جنگ لاہور

اہل حکمت و دانش اور فلسفیانہ طرز فکر رکھنے والے یقیناً تجسس اور چھان پھٹک کے اس جذبے کو مخصوص مذہبی، سماجی و معاشی ماحول کی پیداوار قرار دیں گے لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ قائم ہے کہ خدا کی تلاش کا جذبہ ہر عہد، ہر ملک کے لوگوں میں موجود رہا ہے اور جب تک یہ جذبہ موجود ہے اس وقت تک اس نوع کی کتابیں لکھی جاتی رہیں گی اور ہر زمانہ میں آغا نوید جنم لیتے رہیں گے۔

اِنتساب

سائیں اختر کی نظم

اللہ میاں تھلے آ ——!

کے نام

آغاز

میں ایک ایسے مذہبی گھرانے میں پیدا ہوا جو خدا کو مانتا تھا اس لئے میری تربیت بھی خدائی حاکمیت کے سائے تلے ہونے لگی مجھے دنیا کی اچھائیاں اور برائیاں خدا کی پسندیدگی اور ناپسندیدگی کے حوالے سے بتائی گئیں۔ میری زندگی کا انحصار خدا کی منشاء پر تھا اور میری موت کی گھڑی صرف خدا کو معلوم تھی۔ مجھے اچھے کام اس لئے کرنے چاہئیں کہ ایسا کرنے کا خدا نے کہا ہے اور مجھے برے کام اس لئے نہیں کرنے چاہئیں کہ یہ خدا کو ناپسند ہیں۔

میں جب کچھ بڑا ہوا تو میں نے ایک دن اپنے باپ سے پوچھا کہ یہ پہاڑ سمندر اور آسمان کس نے بنائے ہیں۔ میرا باپ بولا!

"خدا نے----!

میں نے کہا لیکن یہ سب کیسے بنے؟

میرا باپ بولا! یہ تو خدا ہی جانتا ہے!

میں نے کہا! اچھا تو مجھے خدا سے ملادیں میں خود ہی خدا سے پوچھ لوں گا۔!

میرا باپ بولا! نہیں بیٹا ہم خدا سے نہیں مل سکتے!

میں بولا۔ کیوں ابا جان؟

میرا باپ بولا' کیوں کہ اس سے کوئی نہیں مل سکتا کیونکہ وہ بہت بڑا ہے بہت عظیم ہے مقدس ہے اور لازوال ہے۔

میں نے کہا! وہ تو سب ٹھیک ہے لیکن ہم اس سے مل کیوں نہیں سکتے؟

میرا باپ اب سختی سے کہنے لگا! بیٹا ایسی باتیں نہیں کرتے ایسی باتوں سے گناہ ہوتا ہے اور اسکے بعد میں چپ ہوگیا۔ میں اکثر خاموش رہتا اور خدا کے متعلق سوچتا رہتا خیالوں میں اس کے خاکے تراشتا سفید داڑھی نورانی چہرہ اجلے کپڑے اور ہونٹوں پر تبسم خوابوں میں اس سے ملتا جیسے وہ مجھے گود میں اٹھائے کہانیاں سنا رہا ہو۔

میں جوں جوں بڑا ہوتا گیا مجھے تنہائی اچھی لگنے لگی۔ میں گھنٹوں گم سم رہتا اور خدا کے متعلق سوچتا رہتا۔ آہستہ آہستہ میں اپنی ذات میں خود کو سموتا چلا گیا میرے باپ میرے بہن

بھائی میرے خیالوں سے دور رہنے لگے۔ اس لئے ان سے میرا رشتہ ٹوٹتا چلا گیا کیونکہ میں سمجھتا تھا کہ فارغ لمحوں میں جو خیالوں میں آئے وہی اپنا ہوتا ہے اور خیالوں میں تنہائی کے وقت کبھی میرے ماں باپ میرے بہن بھائی نہ آئے تھے خیالوں میں ہر وقت خدا رہتا۔ اس کا تغیر پذیر خاکہ رہتا اس لئے میں خدا کو اپنی ذات کا اک حصہ سمجھنے لگا ایسا حصہ جو مجھ سے کھو گیا ہے۔ لیکن جس کے بغیر میری ذات نامکمل ہے۔ میری شخصیت ادھوری ہے میں غمزدہ رہنے لگا اور گھر بار چھوڑ جنگلوں اور ویرانوں میں بسیرا کیا کہ کسی طور خدا سے مل سکوں۔ بچپن کی ایک چھوٹی سی بات میری زندگی کا حاصل اور میری جوانی کا روگ بن چکی تھی۔

میری یہ حالت ہو چکی تھی کہ میں کئی کئی گھنٹے استغراق میں گم خدا کے وصل کے متعلق سوچتا رہتا۔ میں نے خدا سے ملنے کے راستے تلاش کرنے شروع کئے اور ایک دن میں نے یہ فیصلہ کیا کہ مجھے عبادت کرنی چاہئے اور میں دن رات عبادت میں مشغول رہنے لگا کہ خدا سے مل سکوں دن گزرے اور برس بیت گئے لیکن خدا کا وصال نہ ہو سکا اور آخر ایک دن میں نے یہ عبادت و ریاضت ترک کردی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ مجھے اپنی ذات کی تشنگی کے احساس نے رلا دیا۔ اور میں خدا سے گویا ہوا:

اے خدا میں نے تیرے عشق کی آگ میں اپنی جوانی کو سوکھی لکڑی کی طرح جلا دیا۔ تیرے ملنے کی چاہ میں اپنے تن کی سانسوں کو سبک ہواؤں کی طرح چٹیل میدانوں سے گزارہ ہے اور اپنی دھڑکنوں میں ایک ہی فریاد بسائے ہر پل تجھے آواز دی ہے لیکن تو مجھے مل نہ سکا۔ میں نے ہر گام تیری چاہ پر سر جھکایا مگر تو نے مجھے صرف ایک انسان سمجھ کر دھتکار دیا۔ کہ انسانوں سے ملنا تیرا شیوہ نہیں تیرے اس عمل نے مجھے کئی بار توڑنا چاہا لیکن میں بندہ بھی تیری ہی قوتوں کا عکس ہوں میں اپنی ذات میں قائم رہا اپنے حوصلوں کو استقامت بخشتا رہا اور آج بھی اپنے عزم پہ قائم ہوں اور میں تجھ سے مل کے رہوں گا۔

اور یوں میں نے پہلی دفعہ سوچا کہ مجھے اس خدا کو ڈھونڈنا چاہئے جو اتنی بڑی کائنات کو بنا کر اسی کی وسعتوں میں گم ہو گیا ہے۔ مجھے اس خدا کو ڈھونڈنا چاہئے جو روزی دینے والا ہے اور جس کے اعجاز سے میں جوان ہوا۔ شعور کے خزانے سے مالا مال ہوا اور سوچ کی قوت حاصل کر سکا ہاں وہ خدا۔ جس کی کرشمہ سازی ابھرتے سورج کی روشنی میں نہا کر نکھر جاتی ہے اور سورج کے ڈھلتے ہی اس کی تخلیقات اس کی مصلحتوں کی طرح پوشیدہ ہو جاتی ہیں۔

اے خدا میں تیرا بندہ ناتواں اس وقت تنہا و بے سہارا ہوں تو میرا خالق و مالک ہے۔ مجھے تیری شفقت کی ضرورت ہے کہ اس وقت مجھے تیری شفقت ہی سہارا دے سکتی ہے۔

اے خدا! مجھے تیرے مجسم وجود کی تلاش ہے کہ یہ کائنات جو تیرا وجود اور یہ مخلوق جو تیری روح ہے۔ دونوں ریزہ ریزہ ہو کر بکھر چکی ہیں اور ان ذروں اور روؤں کو یکجا کرنا میرے بس کی بات نہیں کہ میں بندہ بھی تیری ہی روح کا گم شدہ رواں ہوں۔

میں نے سوچا کہ اگر مجھے خدا سے ملنا ہے تو مجھے اس کائنات میں خدا کی وحدت کو ڈھونڈنا ہو گا کہ اس کائنات میں خدا کی صفات تقسیم ہو چکی ہیں اس لئے خدا کی ایک صفت ایک تخلیق ایک کرشمہ درحقیقت خدا کی ذات کامل نہیں بلکہ ذات کامل کا ایک حصہ ہے اس لئے مجھے خدا کی وحدت یعنی اس مقام کو تلاش کرنا چاہئے جہاں خدا کی ذات تکمیل کو پہنچتی ہے جیسے سائنس دان اس کائنات کی بنیادی اور وحدت کی تلاش میں مصروف ہیں اور جس دن وہ اس میں کامیاب ہو گئے اس دن کائنات اپنی تکمیل کے تمام اسرار و رموز انسان پر منکشف کردے گی۔ اسی طرح اگر میں نے خدا کی ذات کی وحدت کو ڈھونڈ لیا تو میں خدا کی ذات کو پہچان لوں گا۔ اس الجھی ہوئی گتھی کو سلجھا لوں گا تو میں خدا کے وصال کا مقام جان لوں گا۔ تب ہی خدا کی حقیقت کو ساری دنیا پر آشکار کردوں گا اور پھر خدا انسان کی رسائی سے باہر نہیں۔ بلکہ انسان کا دوست بن جائے گا۔ اور مجھے یقین ہے کہ خدا ضرور کہیں اکائی کی صورت میں موجود ہے کہ کوئی بھی چیز اپنی وحدت کو کھو کر زندہ نہیں رہ سکتی اور مجھے خدا کی اسی وحدت کو تلاش کرنا چاہئے جس میں زندگی کا راز مضمر ہے۔ مجھے خدا کی اس وحدت کو تلاش کرنا ہے جہاں خدا ہر دم اپنی کامل صورت میں موجود رہتا ہے اور جس مقام سے اس کی صفات بکھرنا شروع ہوتی ہیں۔ وہ وحدت وہ مقام وہ اکائی جہاں سے ساری کائنات کا نظام کنٹرول ہوتا ہے جس طرح انسان کا سارا جسم متحرک ہوتا ہے مگر انسان کے سارے وجود کو انسان کا ذہن کنٹرول کرتا ہے اس لئے انسان کی وحدت انسان نہیں بلکہ اس کا ذہن ہے جہاں سے تمام احکامات جاری ہوتے ہیں اس لئے خدا کی وحدت بھی ہرگز خدا نہیں بلکہ خدا کی کوئی ایسی وحدت یا ایسا مقام ہے جہاں سے خدا ساری کائنات کو احکامات جاری کرتا ہے اس لئے مجھے خدا کی اسی ہمہ گیر وحدت یا اسی مقام کو تلاش کرنا چاہئے۔ جہاں سے خدا کائنات کو کنٹرول کرنے کے احکامات جاری کرتا ہے کہ یہ کائنات تو خدا کا جسم ہے۔ اس لئے اس میں خدا کی وحدت ہی ہو گی جس طرح انسان کی وحدت انسان کے جسم میں ہی موجود ہوتی ہے۔

اور یوں میں نے خدا کی تلاش کا تہیہ کر لیا اور اسی منصب کو اپنی آئندہ زندگی کا مقصد جانا اور پھر رخت سفر باندھنے سے پہلے میں اپنے آپ میں بڑبڑایا کہ؟

اے خدا! تو جو میری امکانی وسعتوں میں بہت دور تک پھیلا ہوا ہے میں یقین کی وادیوں میں تیرا استقبال کرنا چاہتا ہوں!

اے خدا! گو مجھے تیرا ڈھونڈنا ایسے ہی ہے جیسے سمندر میں سے ایک آنسو ڈھونڈنا مگر میں اپنے ہنر و عزم سے اسے ممکن بنا کے دکھاؤں گا۔ اے خدا تو نے میری سوچ کو محدود اور میرے وجود کو کمزور بنایا ہے مگر میں اپنی تمام کمزوریوں کے باوجود تیری ہی تخلیق ہوں اور تو تمام قوتوں کا مالک ہے اور کائنات کے پردے پر پھیلے ہوئے۔ ان تمام کرداروں کی رسیاں تیرے ہی ہاتھوں میں ہیں اور ہم بے جان اور بے حس پتلیاں تیرے ارادوں کی جنبش سے ہی متحرک ہیں اس لئے اب میں تجھے تلاش کروں گا تیرے ہی بنائے ہوئے انسانوں میں میں ان سے تیرا پتہ پوچھوں گا کہ شاید ان میں سے کسی کو تجھ سے معرفت ہو!

اے خدا! میں تیری تلاش میں تیری مخلوق کے پاس جاؤں گا۔ یہ سمجھ کر کہ تو خدا نہیں بلکہ میرا ایک عضو ہے جس کے بغیر میرا وجود نامکمل ہے اور اس طرح میں خدا کی تلاش میں نکل پڑا تنہا مگر پر عزم-------------!

===○===

مذہبی راہنما

خدا کی تلاش میں جو مجھے سب سے پہلا مسئلہ درپیش آیا وہ یہ تھا کہ میں خدا کی وحدت کا مسئلہ کس سے پوچھوں آخر انتہائی سوچ بچار کے بعد میں نے فیصلہ کیا کہ میں سب سے پہلے مذہبی راہنما سے خدا کا پتہ پوچھوں گا کہ وہ لوگوں کو مذہب کی راہ بتاتا ہے اس لئے اسے یقیناً" خدا کا پتہ ہوگا۔ اور اس طرح میں ایک مذہبی راہنما کے پاس گیا جو ایک عبادت گاہ میں بیٹھا خدا کی عبادت کررہا تھا میں اس کے قریب جاکر بیٹھ گیا اور جب وہ عبادت سے فارغ ہوچکا تو میں ننے اس سے پوچھا کہ اے مذہبی راہنما کیا تو خدا کی وحدت کو جانتا ہے؟

وہ مسکرایا اور اپنے چہرے پر ہاتھ پھیر کر بولا!

خدا کی وحدت سے تیرا کیا مطلب ہے اور نیز یہ کہ تو خدا کی وحدت کو کیوں جاننا چاہتا ہے؟

میں نے اس سے کہا!

خدا کی وحدت سے میری مراد خدائی قوتوں اور صفات کا وہ مرکز ہے جہاں سے خدا اپنے احکام جاری کرتا ہے اور پھر اس کے عضو یا اس کے احکام بجا لانے والے حصے جو ان دیکھے ہوئے یا نہ دیکھ سکتے ہوئے انسانی سوچ میں کچھ بھی ہوسکتے ہیں۔ خدا کے ارادوں یا خدا کے احکام کی تعمیل میں مصروف ہوجاتے ہیں۔

اور آپ کا دوسرا سوال یہ تھا کہ میں خدا کی وحدت کو کیوں جاننا چاہتا ہوں تو اس سوال کا بنیادی طور پر تعلق میرے موروثی عقیدے سے ہے اس لئے میں اس بات کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ خدا کو میں اب تک اس لئے مانتا ہوں کہ میرے ماں باپ بھی خدا کو مانتے تھے اور دوم یہ کہ میرے اردگرد کے ماحول نے مجھے ایسا کرنے پر مجبور کیا تھا اس لئے خدا کے حوالے سے تمام ثبوت اور باتیں دراصل میرے کسی نظریہ پر یعنی خدا کے وجود اور عدم وجود پر دلالت نہیں کرتیں بلکہ میں انہی باتوں کی حقیقت تلاش کرنا چاہتا ہوں جو مجھے موروثی عقیدے کی صورت میں ملے ہیں لیکن میری سوچ اور میرا مشاہدہ بعینہ میرے موروثی عقیدے پر پورا نہیں اترتا اس لئے میں نے اپنے موروثی عقیدے کو بنیاد بنا کر خدا کی تلاش

شروع کی ہے لیکن میں نے خدا کی یہ تلاش اس کے وجود کی بجائے اس کی صفات کے حوالے سے شروع کی ہے کیوں کہ دنیا کے تمام مذاہب خدا کو کسی نہ کسی وجود کی صورت میں مانتے ہیں تمام دنیا کے افراد خدا کی صفات پر متفق ہیں جو کہ خدا کا ایک عالمگیر موضوع ہے لیکن گو کہ وہ خدا کی صفات کو ایک عالمگیر حیثیت سے مانتے ہیں لیکن ان میں پھر ایک اختلاف خدا کی صفات کی وحدت کے حوالے سے شروع ہوتا ہے اور درحقیقت یہی نکتہ خدا کے تصور یا وجود کو ہستی یا نیستی میں بدل سکتا ہے۔ اس لئے میں نے خدا کو صفات کی وحدت کے حوالے سے ڈھونڈنا شروع کیا ہے تاکہ دنیا پر خدا کی ایک ہمہ گیر وحدت آشکار ہو سکے۔

اور ان الفاظ کے ساتھ ہی میں خاموش ہوگیا اور اس مذہبی راہنما کی طرف منتظر نگاہوں سے دیکھنے لگا!

اب وہ مذہبی راہنما چند ساعتیں خاموش رہنے کے بعد یوں گویا ہوا۔

تم خدا کی وحدت کو اس لئے ڈھونڈنا چاہتے ہو کہ خدا کی عالمگیریت کو جان سکو لیکن یہاں تمہارے ساتھ بڑا مسئلہ یہ ہے کہ تم خدا کو ایک عالمگیر موضوع تو مانتے ہو مگر خدا کی عالمگیریت کو یکساں نہیں مانتے!

اور پھر خود ہی اس کی تصدیق کرتے ہوئے بولا!

ہاں ہماری دنیا اسی ایک نکتے کے باعث تضادات و فسادات کی شکار ہے اور یہ تب ہی ممکن ہے جب ساری دنیا کے افراد ایک ہی مذہب کے پیروکار بن جائیں ان کی سوچ ایک فرد ایک معاشرے یا ایک قوم کی بجائے ساری انسانیت کے لئے ہو۔ لیکن ایک مذہب کو ماننے کے لئے ضروری ہے کہ دنیا کے تمام افراد خدا کے ایک ہی تصور کو مانیں۔ اب یہاں مسئلہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ خدا کا تصور کیسا ہونا چاہئے تو خدا جیسی عظیم ہستی کو ہرگز بھی کسی مادی شے سے تعبیر کرنا خدائے بزرگ و برتر کی تذلیل ہے۔ اس لئے خدا کو بصارت کی قوت سے بالا تصور کی قوت سے اعلیٰ اور چھونے کی صلاحیت سے ماورا ہونا چاہئے کیونکہ انسان جس چیز کو دیکھ لیتا ہے سوچ سکتا یا چھو لیتا ہے۔ وہ چیز کبھی بھی مقدس نہیں رہ سکتی کیونکہ جو چیز انسان کے حواس سے مبرا نہیں اس میں تقدس کی تکمیل ممکن نہیں اور جو چیز انسان کی سوچ اور تصور کی زد سے باہر نہیں وہ درحقیقت انسانی تخلیق ہی ہوگی۔ اس لئے خدا کا تصور یقیناً" ان تمام قوتوں کی زد سے باہر ہے کیونکہ یہ تمام قوتیں خدا کی تخلیق کردہ اور انسان کو عطا کردہ ہیں۔ اس لئے یہ خدا کا تصور نہیں کرسکتیں۔ خدا ان قوتوں کے مرہون منت نہیں بلکہ یہ

سب قوتیں خدا کی مرہون منت ہیں اس لئے خدا کا تصور ممکن نہیں کیونکہ انسان کے نزدیک خدا کا جو بھی تصور ہوگا وہ یا تو ذہنی پرواز ہوگا یا مادی تعبیر لہٰذا ان تمام حوالوں سے ایک ہی بات یہ ثابت ہوتی ہے کہ خدا کی وحدت انسانی قوتوں سے ماورا کسی ایسے تصور میں ہے جو انسان نے نہ کبھی سوچا نہ اسے کبھی سوچ سکتا ہے۔ اس لئے ہمیں چاہئے کہ ہم خدا کی عنتیں ڈھونڈنے کی بجائے اسے دل و جان کی تمام قوتوں سے مان لیں اور اس کے احکام کی بجا آوری میں ہی اپنی نجات جانیں! اور اسکے بعد وہ خاموش ہوگیا۔!

میں نے اس کی تمام باتیں توجہ سے سنیں تھیں اور کچھ دیران پر غور کرنے کے بعد بولا تمہاری تمام باتیں خدا کی وحدت کی بجائے کسی خاص مذہب پر دلالت کرتی ہیں جس باعث ان میں مذہبی تعصب کی جھلک نظر آتی ہے اس لئے میرے لئے انہیں قبول کرنا ممکن نہیں۔

میری یہ باتیں سن کر وہ مذہبی راہنما بولا! خدا کی وحدت کو پانا اسی صورت ممکن ہے جب ہم مذہب سے وابستہ ہوں کہ مذہب ہی کہ باعث ہم میں خدا کا تصور جنم لیتا ہے۔

میں نے کہا! گویا تمہارے نزدیک مذہب خدا کے تصور کو جنم دیتا ہے اس لئے تمہارے خیال میں مذہب کی حیثیت اول اور خدا کی حیثیت ثانوی ہے۔ یعنی مذہب نہ ہوتا تو خدا بھی نہ ہوتا!

وہ بولا! نہیں۔ خدا کی حیثیت بہر طور اول ہے مگر مذہب خدا کی ذات کو پہچاننے کا بہترین ذریعہ ہے۔

میں نے کہا! لیکن دنیا میں بے شمار مذاہب ہیں اور ان سب کے پاس خدا کو جاننے کے مختلف طریقے ہیں۔ تو گویا ایسے خدا کی وحدت مذہبی بھول بھلیوں کا شکار ہوجائے گی۔ لیکن اگر تم یہ کہو کہ تمہارا مذہب ہی خدا کی وحدت کو جاننے کا ذریعہ ہے تو اس میں بھی تمہارا مذہبی تعصب شامل ہوگا۔ جبکہ خدا کا وجود دنیا کی کوئی شے نہ ہوتے ہوئے بھی یقینی ہے۔ اس لئے خدا کو خدا کی اشیاء کی بجائے خدا کی خود اپنی ذات سے پہچاننا ہی درحقیقت ایمان کی معراج ہے مگر افسوس کہ تم میں یہ خوبی یا یہ معراج نہیں اس لئے تمہاری تمام باتیں مذہبی رجحان کی پیدائش ہوں گی۔ اس لئے میرے لئے قابل قبول نہیں۔

===○===

عالم

میں مذہبی راہنما کے قریب سے اٹھ آیا اور چلتے ہوئے سوچنے لگا کہ اس مذہبی جنوبی نے مجھے خدا کی وحدت کے متعلق کیا بتانا تھا جو خود خدا کی وحدت کے متعلق نہیں جانتا جسے خدا کی وحدت کی بجائے اپنے خاص مذہبی نقطہ نظر کی تبلیغ کی فکر تھی اور یہی سوچتے ہوئے میں ایک عالم کے پاس جا پہنچا میں نے اس سے کہا اے عالم تو جو علم پر دسترس رکھتا ہے اور تو جو دنیا کو حکمت کی باتیں بتاتا ہے کیا تو مجھے بتا سکے گا کہ خدا کی وحدت کہاں ممکن ہے یا یہ کہ خدا کی وحدت کہاں پائی جاتی ہے۔

وہ عالم جو اب تک ایک کتاب پر نظریں جمائے بیٹھا تھا اس نے کتاب کو بند کیا اور میرے چہرے پہ نظریں جماتے ہوئے بولا۔

کیا تم خدا کو جانتے ہو؟

میں بولا! خدا کو جاننے سے تم کیا مراد لیتے ہو۔

وہ بولا! میرا مقصد ہے کہ خدا کا تمہارے ذہن میں کیا خاکہ ہے۔

میں بولا! خدا وہ ہے جس نے کائنات کو تخلیق کیا۔ انسانوں کو پیدا کیا اور جو تمام جانداروں کو پالنے والا ہے اور جو تمام قوتوں کا سرچشمہ ہے!

یہ سن کر وہ بولا! دراصل تم خدا کو مانتے ہو جانتے نہیں۔ کیونکہ یہ باتیں جو تم نے مجھے خدا کی تعریف کے طور پر بتائیں یہ سنی سنائی ہیں جبکہ خدا کو حقیقی معنوں میں کوئی نہیں جانتا اور جو لوگ خدا کو جاننے نکلتے ہیں وہ یا تو خدا کو جان لیتے ہیں یا پھر خدا کے منکر بن جاتے ہیں۔ لیکن وہ لوگ جو خدا کو جان لیتے ہیں ان کا خدا کو جاننا ذاتی نوعیت و معرفت سے متعلق ہے اور پھر کچھ دیر توقف کے بعد بولا کہ! خدا دراصل ایک بادام کی طرح ہے جس کے بیرونی خول کو دیکھ کر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اس میں گری ہے مگر جب اس کا خول توڑیں تو اندر سے کبھی تو گری نکل آئے اور کبھی کچھ بھی نہ نکلے۔ اسی طرح خدا بھی بادام کے خول کی طرح اپنے ظاہری خدوخال میں چھپا بیٹھا ہے اور بعض لوگ اس خول کو توڑنے کے بعد خدا کو پا لیتے ہیں اور بعض اس خول کو توڑنے کے بعد خدا کے منکر ہو جاتے ہیں اور یہیں سے

خدا کو ماننے اور نہ ماننے والوں کے درمیان تصادم شروع ہو جاتا ہے اور یاد رکھو کہ ہر انسان پیدائشی طور پر خدا کو ماننا ضرور ہے جبکہ خدا کو نہ ماننے کا سلسلہ انسان کی عمر کے کسی خاص حصے میں آکر شروع ہوتا ہے۔ جس کی وجہ اس کے سوا کچھ بھی نہیں جو میں نے تمہیں پہلے بتائی ہے۔

میں اس کی یہ تمام باتیں سن کر بولا!

• تم ٹھیک کہتے ہو ہم اپنے اپنے حصے کا بادام توڑتے ہیں اور جو کچھ اس میں سے نکلے اسے حقیقت سمجھ کر قبول کر لیتے ہیں اور میرے خیال میں یہ عمل اس سے بہتر ہے کہ آدمی اپنے حصے کے بادام کو بنا توڑے ساری عمر اس خوش فہمی میں رہے کہ اس میں گری ہے کہ ایسے لوگ درحقیقت باطنی طور پر انتہائی خوفزدہ ہوتے ہیں یا یوں کہ ان کا ایمان انتہائی کمزور ہوتا ہے کہ وہ اس بات سے خوفزدہ ہوتے ہیں یا یوں کہ ان کا ایمان انتہائی کمزور ہوتا ہے کہ وہ اس بات سے خوفزدہ ہوتے ہیں کہ اگر گری نہ نکلی وہ خدا کو نہ پاسکے تو پھر؟ اور یوں وہ حقیقت کو اپنے موروثی تعصب یا خیالات سے جدا محسوس کرنے کی جرات نہیں رکھتے اور پھر میں کچھ دیر کے لئے خاموش ہو گیا۔ لیکن پھر میں اس سے کچھ یوں گویا ہوا فرض کرو کہ خدا ہے تو ایسے میں تمہارے نزدیک خدا کی وحدت کہاں ممکن ہوگی۔

وہ بولا! اولا" تو میں ایسے قضیے کا ہی قائل نہیں جو قیاس پر مبنی ہو اور جو بات قیاس ہے وہ یقین سے خالی ہے اور جس نظریے میں یقین نہیں وہ کبھی بھی حقیقت نہیں بن سکتی! اس لئے میں یہ فرض کرنے سے قاصر ہوں کہ خدا ہے ہاں جب مجھے یقین ہو گیا کہ خدا ہے تو پھر میں تمہیں خدا کی وحدت بھی بتادوں گا۔

میں نے کہا!

تو گویا تم خدا کی وحدت پر کچھ نہیں جانتے۔

وہ بولا!

شاید میں بھی خدا کی وحدت پر کچھ کہہ سکتا ہوں لیکن کچھ کہنے سے گریز کروں گا کہ میں خود سے بدعہدی کا مرتکب نہیں ہونا چاہتا! اس لئے میرے خیال میں تمہیں خدا کی تلاش میں کہیں اور جانا چاہئے۔

===O===

فلاسفر

میں ایک فلاسفر کے پاس پہنچا جو اپنی حالت سے بے نیاز زمین پر بیٹھا مختلف زائچے بنا رہا تھا میں خاموشی سے اس کے پاس بیٹھ گیا اور اس کے عجیب و غریب زائچے دیکھنے لگا جب اسے یہ احساس ہوا کہ میں اس کے پاس بیٹھا ہوں تو وہ موٹی سی کاپی کو بند کر کے میری طرف بڑے غور سے دیکھنے لگا۔ میں بھی کچھ دیر اس کی طرف دیکھتا رہا اور پھر اس سے گویا ہوا کہ! اے بندے میں نے سنا ہے کہ تو ہر دم منطق و فلسفے کی گتھیاں سلجھاتا رہتا ہے تیرا ذہن ایک مشین کی مانند ہر دم کائنات کی ماہیت پر غور کرتا رہتا ہے کیا تو نے کبھی اس پر بھی غور کیا ہے کہ خدا کیا ہے اور اس کی وحدت کہاں موجود ہے۔

میرے خاموش ہونے پر بھی وہ مجھے یونہی دیکھتا رہا جس طرح وہ پہلے دیکھ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے اپنی نظریں آسماں کی طرف گھمائیں پھر آہستہ آہستہ اپنے چاروں طرف دیکھا اور پھر سر جھکا کر آہستہ سے بولا کہ! خدا! پھر ایک بڑی سی آہ بھر کے بولا! تم خدا کی تلاش میں ہو؟

میں نے کہا! میں خدا کی وحدت کی تلاش میں ہوں!

وہ بولا! کیا تمہیں زندگی میں کسی چیز سے خوف آیا۔

میں بولا! زندگی میں کئی چیزوں سے ڈرا ہوں۔

وہ بولا! اور کیا تم نے زندگی میں کوئی ایسا شخص دیکھا ہے جو کبھی نہ ڈرا ہو۔

میں بولا! نہیں۔

اس نے کہا! درحقیقت ہمارے ذہنوں میں چھایا ہوا خوف ہماری سوچ کو تقسیم کر دیتا ہے جس کے باعث ہماری سوچ خالص نہیں رہتی بلکہ یہ کسی خوف کی قوت کے تحت سوچتی ہے ایک مذہبی آدمی کے ذہن پر ہر وقت خدا کا خوف چھایا رہتا ہے۔ اس لئے وہ ہر بات خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے سوچتا ہے اس لئے حقیقت میں وہ کچھ جاننے کے لئے نہیں سوچتا بلکہ اپنے ذہن پر مسلط خوف کو خوش کرنے کے لئے سوچتا ہے۔ اس لئے تمہیں خدا کا پتہ یا خدا کی وحدت کا علم دنیا کے کسی شخص سے نہیں مل سکتا کیونکہ دنیا کا ہر آدمی کسی نہ

کسی قوت کے تابع رہ کر سوچتا ہے اس لئے وہ کبھی بھی حقیقت مطلق تک رسائی حاصل نہیں کرسکتا۔ اس لئے اگر تم خدا کی وحدت کا حصول چاہتے ہو تو سب سے پہلے اپنے ذہن کو ہر قسم کے خوف سے صاف کرو اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ جو تمہارے ذہن میں آئے اسے بلا تامل کہہ دو یا تحریر کردو اور یہ مت سوچو کہ مذہب میں اس کی اجازت ہے کہ نہیں لوگ اس کو اچھا سمجھیں گے کہ نہیں کہ مذہب انسان کی سوچ کو ایک خوف کے ذریعے پابند کردیتا ہے اور لوگوں کا خوف تمہیں حقیقت کے بیان سے روکتا ہے۔ اس لئے جو سوچو وہ کہہ دو اور یاد رکھو کہ انسان کے ذہن میں جنم لینے والی ہر سوچ انسان کے پاس خدا کی امانت ہے جو اسے اس کے انسانوں تک پہنچاتی ہے۔

پھر وہ کچھ لمحوں کے لئے خاموش ہوگیا اور اس نے اپنی نظریں میرے چہرے پر گاڑ دیں۔ میں ابھی تک اس کی باتوں کے معنوں میں گم تھا اس لئے میں بھی خاموش رہا کچھ دیر کی مکمل خاموشی کے سکوت کو آخر کار میں نے توڑا اور بولا!

آدمی اگر اپنے ذہن سے ہر قسم کے خوف کو جھٹک دے تو کیا پھر وہ خدا کی وحدت کو پاسکتا ہے۔

وہ فلاسفر کہنے لگا! نہیں یہ لازم نہیں کہ آدمی اپنے ذہن کو ہر قسم کے خوف سے پاک کرکے خدا کو پالے بلکہ اپنے ذہن کو ہر قسم کے خوف سے مبراء کرنے کے بعد ہی آدمی خدا کی وحدت کو پانے کا عمل شروع کرسکتا ہے پھر اس کی سوچ حقیقی اور مکمل طور پر تخلیقی ہوگی۔ اس لئے اگر وہ چاہے تو خدا تک اس کی رسائی ممکن ہے پھر وہ اپنی باتوں کی مزید وضاحت کرتے ہوئے بولا!

درحقیقت اپنے ذہن کو ہر قسم کے خوف سے پاک کرنا ہی خدا کی وحدت نہیں ہے۔ بلکہ اس عمل کے بعد دوسرا عمل ممکن ہے جیسے دوسری سیڑھی پر چڑھنے کے لئے پہلی سیڑھی پہ چڑھنا لازم ہوتا ہے اور اس کے بعد وہ پھر خاموش ہوگیا مگر یوں کے اس کے چہرے کی ہر شکن بول رہی تھی!

اب میں اس کے نقطے کو پوری طرح سمجھ چکا تھا جس میں اس نے خدا کی وحدت کو بیان کرنے کی بجائے خدا کی وحدت کو پانے کا عمل بیان کیا تھا۔

میں اس کی صحبت سے اٹھا اور اس کی باتوں پر غور کرتے کرتے ایک باغ میں جا بیٹھا اس کی بات بار بار میرے ذہن پہ دستک دے رہی تھی کہ:

اپنے ذہن کو ہر قسم کے خوف سے پاک کرنا ہی خدا کی وحدت نہیں ہے بلکہ اس عمل

کے بعد دوسرا عمل ممکن ہے جیسے دوسری سیڑھی پر چڑھنے کے لئے پہلی سیڑھی پر چڑھنا لازم ہوتا ہے۔ مجھے اس کی ان باتوں میں بڑی صداقت معلوم ہو رہی تھی۔ درحقیقت اس نے مجھے خدا کی تلاش کی ایک نئی راہ دکھائی تھی میرے عمل کی راہبری کی تھی اور میں سوچنے لگا کہ کیا میرے ذہن میں کسی قسم کا خوف تو نہیں کہیں ایسا تو نہیں کہ میں اپنے ذہن میں صرف خدا کی موجودگی کا تصور لئے بیٹھا ہوں جس وجہ سے ممکن ہے کہ میرے ذہن میں صرف یہی خوف ہو کہ میں نے ہر صورت خدا کو پانا ہے جبکہ ممکن ہے کہ خدا ہو ہی نہ اور یہ سوچتے ہی جیسے میرے روح کانپ اٹھی اور جب میں سنبھلا تو میں نے جان لیا کہ میں بھی ایک خوف کا شکار ہوں اور وہ یہ کہ خدا کو لازم ماننے کا خوف اور میں نے کئی پہلوؤں سے اس کا جائزہ لیا تو میں نے اس حقیقت کو جان لیا کہ میں خدا کی تلاش جاری رکھوں گا مگر اس امکان سے کہ میری اس تلاش میں خدا عدم اور موجود دونوں حوالوں میں سے کسی حوالے سے بھی ثابت ہو سکتا ہے۔

لیکن چونکہ کسی بات کی تصدیق کرنے یا اسے باطل قرار دینے کے لئے یہ لازم ہوتا ہے کہ اس کے متعلق کوئی مفروضہ قائم کیا جائے جسے بنیاد بنا کر اس کے مختلف پہلوؤں کی تحقیق کی جاسکے۔ آج سے میں بھی خدا کو مانوں گا لیکن ایک مفروضے کی حیثیت سے کہ خدا ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی اور جب میں نے یہ فیصلہ کر لیا تو میں خود کو بہت ہلکا محسوس کرنے لگا جیسے میرے سر سے ایک ایسا بوجھ اتر گیا ہو؟ جو میں اٹھائے پھر رہا تھا لیکن جس کا مجھے احساس نہیں تھا پھر میں باغ سے اٹھا اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا شہر کے وسط کی جانب جانے لگا۔

===○===

ادیب

چلتے چلتے میں ایک ادیب کے پاس جا پہنچا اور میں نے اس سے کہا کہ ! کیا تمہیں خدا کی وحدت کا علم ہے۔

وہ بولا۔ ! ہاں مجھے پتہ ہے کہ خدا کیا ہے : خدا ہماری سوچ کی انتہا ہے ہم لوگ جو دن رات خدا کا نام لیتے ہیں حقیقت میں ہم میں سے کوئی نہیں جانتا کہ خدا کیا ہے مگر اس کے باوجود ہماری کوشش ہوتی ہے کہ ہم اپنی محرومیوں اور ناکامیوں کو خدا کی مصلحت کا نام دے کر خدا سے اپنی عقیدت کا اظہار کر دیں۔ دراصل ہم لوگ اس سائنسدان کی طرح ہیں جو خود ہی ایک فارمولہ اخذ کرتا ہے اور اس کی بنیاد پر نت نئی اشیاء بناتا ہے اور لوگوں کو یہ باور کرواتا ہے کہ یہی فارمولہ آخری اور مکمل ہے جبکہ حقیقت میں وہ اس تگ و دو میں ہوتا ہے کہ وہ اس فارمولے کو غلط ثابت کرکے اس سے بہتر فارمولہ اخذ کر لے تاکہ وہ اور آگے بڑھ سکے اور اشیاء ایجاد کر سکے ہم لوگوں نے اسی سائنس دان کی طرح خدا کو اپنے لئے ایک فارمولے کے تحت اخذ کیا ہے اور لوگوں کو یہ باور کرواتے ہیں کہ کوئی بھی کام خدا کی مرضی کے خلاف ممکن نہیں گویا ہم خدا کے فارمولے کو زندگی کہ ہر شعبے پہ نافذ کر چکے ہیں۔ ہم لوگ سمندر و آسمان ، پہاڑ ، بادل اور سورج چاند ستارے وغیرہ دیکھ کر پہلے تو ان کے ارتقاء اور آغاز کی منطقی وجوہات ڈھونڈتے ہیں مگر ان سب کو جواب نہ پا کر جب ہمارا ذہن انتشار کا شکار ہوتا ہے تو ہم اپنی تشفی کی خاطر ایک غیبی قوت کو تخلیق کرتے ہیں ایسی قوت جسے ہم خود بھی نہیں جانتے اور جو ہمارے آگے بڑھنے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے اور پھر اس قوت کا نام خدا رکھ دیتے ہیں۔ اس طرح ہم خود کو جھوٹی تسلی دے لیتے ہیں کہ میں اپنی تحقیق میں ناکام نہیں ہوا بلکہ اس سے آگے کچھ ممکن ہی نہیں تھا جبکہ سچ یہ ہے کہ اس سے آگے ہم سوچ نہیں سکتے اور اس طرح خدا ہماری سوچ کی ٹوٹتی ہوئی لہروں میں جنم لیتا ہے۔

میں نے اس کی ان تمام باتوں کو بڑے غور سے سنا اور پھر اس سے کہا شاید تم ٹھیک کہتے ہو۔ اگر خدا یہی ہے تو تمھارے نزدیک خدا کی وحدت کہاں ممکن ہے۔

اس نے میری طرف دیکھا اور آہستہ سے بولا: "خدا کی وحدت" تو گویا تم خدا کی وحدت پانا چاہتے ہو۔

میں نے کہا: ہاں؟

وہ بولا:

تو اپنے ذہن کی آخری وسعتوں میں جھانکو وہاں تمہاری منتشر سوچیں ایک مضبوط اور اندھی دیوار کو پھلانگنے کی کوشش کر رہی ہونگی بس اس مضبوط اور اندھی دیوار میں خدا کی وحدت موجود ہے یہ کہہ کر وہ ایک طرف کو چل دیا اور میں وہیں گم سم بیٹھا اپنے ذہن کی روشنیوں میں خدا کی ماہیت پر غور کرنے لگا:

بس اسی مضبوط اور اندھی دیوار میں خدا کی وحدت موجود ہے بھلا یہ کیا بات ہوئی ایک دیوار اور اس کے اندر خدا کی وحدت یہ تو کوئی خدا کی وحدت نہ ہوئی یہ تو ایسا ہی ہے کہ جیسے کوئی مجھ سے پوچھے کہ تمہارا دماغ کہاں ہے اور میں کہوں میرے جسم میں!

اور تب میں نے خود کو جھنجھوڑا اور خود کو اس ادیب کی باتوں کے طلسم سے آزاد کیا۔ اور آگے بڑھ گیا۔

===O===

سائنس دان

اب چلتے ہوئے میں ایک گلی سے گزرا تو مجھے ایک کمرے سے روشنی کی لہریں دکھائی دیں میں سوچنے لگا کہ اتنی رات گئے یہ کون بشر جاگ رہا ہے اور میں نے اسی تجسس میں اس کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹا دیا چند لمحوں کے بعد اندر سے ایک بوڑھا سا آدمی ایک شیشے کی بوتل میں لال سے رنگ کا پانی ڈالے آیا اور مجھ سے پوچھنے لگا کہ تم کون ہو؟ میں نے کہا: ایک بندہ جسے خدا کی تلاش ہے اور خدا جو ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی۔

وہ بولا! لیکن اس سلسلے میں میں تمھاری کیا مدد کر سکتا ہوں۔؟

میں بولا: آپ کی لیبارٹری اور آپ کا حلیہ دیکھ کر مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ آپ سائنس دان ہیں۔!

وہ بولا - : ہاں میں اک سائنس دان ہوں۔!

تب میں بولا: کیا آپ مجھے خدا کے متعلق کچھ بتا سکتے ہیں -

اس نے میرا سوال سنا اور مجھے غور سے دیکھنے کے بعد بولا کہ آپ تشریف لے آئیں اور مجھے ایک نشست پہ بٹھا کے خود ٹہلنے لگا! اور ٹہلتے ٹہلتے ہی بولا! اس کائنات کا سب سے بڑا مخبر ہے۔

اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور بولتا میں جلدی سے بولا شاید میں اپنا سوال صحیح طور پر نہ کہہ پایا تھا دراصل مجھے خدا کی تعریف نہیں بلکہ خدا کی وحدت کی تلاش ہے۔ اس مقام کی تلاش ہے جہاں خدا وحدت کی صورت میں موجود ہے۔

وہ سائنس دان بولا: میں دن رات کائنات کے رازوں کو سلجھانے میں سرگرداں رہتا ہوں اور اس دوران میں نے خدا کی موجودگی کا ایک ہی مقام پایا ہے اور وہ ہے پوشیدگی اور خفگی جو چیز نظر نہیں آتی درحقیقت وہ خدا کا مقام ہوتی ہے اور جب خدا اس مقام سے نکلتا ہے تو ہم اس چیز کی ماہیت کو جان لیتے ہیں اور اشیاء کے یہ اسرار درحقیقت ہم پر خدا ہی آشکار کرتا ہے اور اس طرح ہم اس چیز کی ماہیت کو جان کر اسے اپنی ایجادات میں شمار کر لیتے ہیں بس خدا کی وحدت کسی راز کا ہمارے ذہن میں ملنے والی وہ اطلاع ہے جو خدا ہمیں

کسی حوالے سے بہم پہنچاتا ہے۔

میں خاموش بیٹھا اس کی باتوں پر غور کر رہا تھا اور کچھ دیر خاموشی کے بعد میں نے اس سے کہا تیری باتیں تضاد کا شکار ہیں خدا کی وحدت یا پوشیدگی میں ہو سکتی ہے یا اس اطلاع میں جو ہم پہ اسرارو موز منکشف کرتی ہے جبکہ یہ ممکن نہیں کہ خدا کی وحدت ان دونوں میں ہو یہ واضح کرو کہ ان میں سے کون سی خدا کی وحدت ہے۔

وہ سائنس دان بولا: مجھ سے اگر تم کوئی فارمولہ اخذ کرنے کو کہو تو ایسا میں کر سکتا ہوں مگر ان باتوں کو ثابت کرنا میرا مسلک نہیں میرے نزدیک جو خدا کی وحدت بنتی تھی سو میں نے کہہ دی جسے صحیح جانو یا غلط تمھارا کام اور پھر وہ خاموش ہو گیا۔

اور میں یہ سوچ کر وہاں سے چل دیا کہ جو چیز یقین کی قوت سے محروم ہو وہ عمل کے دائرے میں نہیں آسکتی اور اس سائنسدان نے جتنی بھی باتیں کیں وہ فقط اس کا خیال تھیں یقین نہیں۔

===O===

وکیل

میں اس کی ان باتوں پر غور کرتے کرتے ایک وکیل کے پاس جا پہنچا اور میں نے اس سے پوچھا کہ کیا تجھے خدا کی وحدت کا علم ہے؟۔

وہ بولا: خدا کا مقام اس قسم میں ہے جو حق و ناحق اور ناحق کو حق جھوٹ کو سچ اور سچ کو جھوٹ ثابت کر دیتی ہے اور یہ سب اس لئے ہوتا ہے کہ اس میں خدا کی مرضی شامل ہوتی ہے۔!

میں بولا: کیا تجھے اس بات کا یقین ہے کہ خدا حق اور ناحق کی تمیز نہیں رکھتا وہ یک لخت بولا۔: اور کیا تجھے اس بات پہ یقین نہیں کہ ہر کام میں خدا کی مرضی شامل ہے اور کوئی کام خدا کی رضا کے بنا ممکن نہیں۔

میں بولا: وہ کام جو خدا اپنے دربار میں بیٹھ کر کرتا ہے وہ کام خدا کی رضا و منشا کے بنا ممکن نہیں اور شاید تجھے یہ بھی علم نہیں کہ خدا اپنے دربار میں کون سے کام کرتا ہے خدا اپنے دربار میں بیٹھ کر نت نئی تخلیقات کرتا ہے مگر جب وہ اپنی تخلیقات کو زمین پر اتارتا ہے تو انہیں کچھ اختیارات دے دیتا ہے کہ اپنی تخلیقات کی قوت کا اندازہ کر سکے اور انسان جو خدائی تخلیقات میں سب سے عظیم ہوتی ہے اور جسے خدا نے اپنا نائب بنایا ہے اسے خدا نے بہت سے اختیارات دے دیئے ہیں تا کہ اسے اپنی اہمیت کا کچھ احساس ہو اور بجائے اس کے کہ وہ ہر کام کے لئے خدائی معجزات پر آس رکھے وہ اپنے قوت بازو پر بھروسہ کر سکے اور جب انسان نے اپنی قوت کا استعمال کرنا سیکھ لیا تو وہ خدائی قوت کو بھول گیا اور خود کو قوت کا سرچشمہ جان لیا مگر جب اس نے قدرت کی قوت کو اپنے راستے میں حائل سمجھا تو اسے بھی سر کرنے کی کوشش کی اور اس سلسلے میں اس نے شیطان کو اپنا ساتھی بنالیا اور اس طرح زمین پر خیرو شر کا فلسفہ شروع ہوا وہ جو کائنات کی تسخیر میں ہر قسم کے ہتھکنڈے جائز سمجھنے لگے اور وہ جنھوں نے قدرت کی قوت کو خدا کی صورت میں اپنا حاکم مان لیا یہ سب کہنے کے بعد میں کچھ دیر توقف کے بعد بولا اب شاید تمہیں اندازہ ہو سکے کہ خیرو شر خدا کی تخلیق نہیں بلکہ انسان کی ہے کیونکہ انسان کی تخلیق سے قبل خیرو شر نام کی کوئی چیز

نہ تھی صرف خدا اور اس کے فرشتے تھے اور فرشتے ہمیں آج تک یہ اندازہ نہیں کہ وہ خدا کی بندگی کر رہے ہیں یا وہ پیدا ہی اسی حالت میں ہوئے تھے۔

اس نے میری ان باتوں کو غور سے سنا اور بولا مانا کہ خیر اور شر انسان کی قوتوں کی پیدائش ہیں مگر تم شیطان کو کس کی پیدائش کہو گے ان حالات میں جبکہ شیطان انسان کی تخلیق سے قبل وجود میں تھا۔

میں فوراً بولا نہیں تم غلطی پر ہو شیطان انسان سے قبل وجود میں نہ تھا بلکہ شیطان کی تخلیق انسان کے وجود کے بعد ہوئی خدا نے جب شیطان کو انسان کے سامنے سجدہ کرنے کو کہا تو اس وقت شیطان خدا کا سب سے فرمانبردار فرشتہ تھا مگر ایک سجدہ نہ کرنے کے باعث وہ اپنی تمام عبادات ضائع کر بیٹھا اور شیطان بن گیا اس طرح انسان کی تخلیق پہلے اور شیطان کی تخلیق بعد میں ہوئی گویا انسان نے اپنی تخلیق کے ساتھ ہی شر کو پیدا کیا جو شیطان کے روپ میں اس کے سامنے آیا اب میں خاموش ہو گیا۔

وہ وکیل کچھ دیر سوچ میں گم رہنے کے بعد میرے سامنے سے اٹھا اور ایک طرف کو چل دیا۔

شاعر

اس کے اس عمل میں اس کی شکست پنہاں تھی جس کے اقرار کا اسنے یہ راستہ اختیار کیا تھا، کچھ دیر اسی حالت میں بیٹھے رہنے کے بعد میں بھی اٹھا اور میرے قدم کسی شاعر کو ڈھونڈنے لگے کہ میں نے سن رکھا تھا کہ شاعر کے اشعار خدا کا کلام ہوتے ہیں۔ لہٰذا میں نے سوچا کہ ممکن ہے کہ شاعر خدا کے متعلق جانتا ہو اور میں ذہن میں امید کے چراغ لئے ایک شاعر تک پہنچا اور اس سے گویا ہوا کہ میں نے سنا ہے کہ تیری خدا سے معرفت ہوتی ہے کہ نو تخیل سوچ کے نئے زاویئے تراشتا ہے کیا تجھے علم ہے کہ خدا کی وحدت کہاں ہے خدا کی ذات کے بے شمار رنگ بکھیرنے والی منشور کہاں ہے؟

اس نے میری باتیں سنیں اور مجھ سے یوں گویا ہوا:

خدا کو ڈھونڈنا ہے تو بہتے جھرنوں میں ڈھونڈ، بل کھاتے ہوئے دریاؤں میں ڈھونڈ سرکش سمندر میں ڈھونڈ' سبک خرام ہوا کی مترنم لہروں میں ڈھونڈ چہچہاتے پرندوں کی بولیوں میں ڈھونڈ' تیز ہوا سے رکوع میں گرتے ہوئے پودوں میں ڈھونڈ' فلک بوس پہاڑوں میں ڈھونڈ۔ جنت کے آنگن سے اترے ہوئے پھولوں میں ڈھونڈ۔ پھلوں سبزیوں کی اس لذت میں ڈھونڈ جو ہماری جینے کی امنگ کو جوان کردیتی ہے۔ سورج کی سنہری رو پہلی کرنوں میں ڈھونڈ شب کے سینے پہ پھیلے ان چاند ستاروں میں ڈھونڈ جو ساری رات ایک دوسرے سے آنکھ مچولی کھیلتے ہیں۔ حسین چہروں کے نقوش میں ڈھونڈ زندگی کے رموز سمیٹنے والی لالی میں ڈھونڈ۔ آسمان اور زمین------!

ابھی وہ مجھے خدا کے ٹھکانے بتا ہی رہا تھا کہ میں نے اس کی بات کو کاٹا اور بولا! تم مجھے فطرت کے شاعر لگتے ہو اسی لئے تم نے مجھے کائنات کی ہر شے میں خدا کا مقام بتادیا ہے۔ مگر شاید تم یہ نہیں جانتے کہ یہ تمام کائنات درحقیقت خدا کا منقسم روپ ہے مگر مجھے غیر منقسم خدا کی تلاش ہے جو ایک اکائی ایک وحدت کی صورت میں مجھ سے مل سکے اس لئے اے شاعر مجھے خدا کی وحدت کے متعلق بتا!

تب وہ بولا! ہاں مجھے خدا کی وحدت کا ٹھکانا معلوم ہے خدا کی وحدت یقیناً" حسن کے

علاوہ کہیں ممکن نہیں کہ کائنات کی ہر چیز ایک دوسری سے منفرد ہے مگر ان سب میں جو قدر مشترک ہے وہ یہ کہ ہر چیز حسن ہے کہ حسن اپنے معنوں میں صرف کسی چیز کا ہماری نظر کو بھانا ہی نہیں بلکہ ہر تخلیق ہونے والی چیز حسن ہے کہ ایک مصور بھی وہی چیز بناتا ہے جو اسے بھائے۔ چاہے وہ اپنی تصویر میں کسی گندگی کے ڈھیر ہی کو کیوں نہ پینٹ کرے مگر ہم اس کے فن کی تعریف کرتے ہیں جو اس گندگی کی ہرگز تعریف نہیں ہوتی بلکہ اس کے فن اور اسکی تخلیق کاری کی تعریف ہوتی ہے اور یاد رکھو کہ تعریف ہمیشہ حسن کی محتاج ہوتی ہے۔ اس لئے درحقیقت ہر تخلیق ہونے والی چیز میں حسن ہے اور اس کے بعد وہ خاموش ہو گیا۔

میں نے کہا! حسن ایک وحدت ضرور ہے مگر اس کا معیار عالمگیر نہیں کہ ہر شخص کیلئے حسن کا معیار مختلف ہے۔ ہر چیز میں حسن کو مان لینا ہی کافی نہیں بلکہ حسن میں وحدت تب ہی ممکن ہے جب حسن کی تعریف بھی عالمگیر ہو مصور کی بنائی ہوئی تصویر ممکن ہے ہر کسی کو پسند آئے مگر یہ ممکن نہیں کہ ہر کسی کو یہ تصویر ایک ہی زاویئے سے پسند آئے بلکہ کوئی شخص اسے رنگوں کے امتزاج کے باعث پسند کرے گا تو کوئی خوب صورت منظر کے باعث لہٰذا اگر ہم یہ مان لیں کہ خدا کی وحدت حسن میں ہے تو مقصد یہ ہوا کہ ہر شخص کے لئے خدا کا معیار مختلف ہے لوگ حسن میں خدا کی وحدت کو مانیں گے تو سہی مگر ان کے نزدیک کسی چیز کا کونسا زاویہ حسن بنتا ہے یہ ان کا انفرادی مسئلہ ہے اور ایسا ہونے سے خدا پھر افراد کی سوچ اور نقطہ نظر میں بکھر جائے گا اور یہی صورت حال اب بھی ہے لہٰذا مسئلہ حل ہونے کی بجائے مزید بگڑ جائے گا اور میں کبھی ایسی چیز میں خدا کی وحدت ماننے کو تیار نہیں جس کی حقیقت و تعریف سب کے لئے ایک سی نہ ہو۔

وہ شاعر بولا! لیکن دنیا میں کسی چیز کی تعریف بھی تو عالمگیر نہیں!

ابھی وہ مزید کچھ کہتا میں فوراً" بولا! مجھے تمہاری اس بات سے قطعی اتفاق نہیں کہ دنیا میں ہر چیز کی ایک واضح تعریف ہے جسے سب کسی ایک خاص حوالے سے مانتے ہیں--- مثال کے طور پر سرخ رنگ کو ساری دنیا میں آنکھ رکھنے والے اشخاص اس لئے سرخ مانتے ہیں کہ اس میں سرخی کا عنصر شامل ہے اسی طرح سائنسی توجیہات ساری دنیا میں قطعی مساوی حیثیت سے مانی جاتی ہیں اگر ایسا نہیں ہوتا تو کائنات اپنا تسلسل کھو بیٹھتی البتہ چند غیر مادی قوتیں ایسی ہیں جو غیر مادی ہونے کے باعث اپنی ماہیت کو صحیح طور پر واضح نہیں کر پاتیں، اس لئے وہ ہمارے ذہنی رجحانات کی محتاج ہو جاتی ہیں۔ اس لئے ہم اس کی تعریف پہ

متفق نہیں ہوپاتے لیکن کئی ایسی غیر مادی حکایتیں بھی ہیں جن کی ہم ایک ایسی تعریف وضع کرنے میں کامیاب ہیں جو سب کے لئے قابل قبول ہیں مثلاً" ایمان ایک غیر مادی حکایت ہے۔ مگر سب مانتے ہیں کہ ایمان یقین کا نام ہے اور یقین ایک مستقل رویہ ہے جو انسان اپنی ذات پہ خود مسلط کرتا ہے۔

ابھی میں نے اپنی بات میں ذرا سا وقفہ ہی دیا تھا کہ وہ شاعر بولا۔ تم خود کہہ رہے ہو کہ سب غیر مادی حکایتوں کی ایک ایسی تعریف جو سب کے لئے قابل قبول ہو ممکن نہیں اور چونکہ خدا بھی غیر مادی ہے۔ اس لئے ممکن ہے کہ اس کی بھی ایک عالمگیر تعریف ممکن نہ ہو۔

میں نے کہا!

ہاں خدا غیر مادی تو ہے مگر غیر حقیقی نہیں اور دوسرے یہ کہ خدا انسانی ذہن کی تخلیق نہیں بلکہ لفظ خدا انسان کی تخلیق ہے جبکہ خدا اک قوت کا نام ہے جو سب پہ حاوی ہے۔ اس لئے خدا کی وحدت ضرور موجود ہے جس طرح حسن بے شمار زاویئے رکھنے کے باوجود ایک قوت ہے جو ہم پہ آشکار ہوتی ہے۔ جس طرح انسان حسن کو تخلیق نہیں کرتا بلک حسن کو تلاش کرتا ہے۔ آسمان سے لے کر زمین اور سمندر تک کیونکہ تخلیق وہ چیز ہوتی ہے جو پہلے سے موجود نہ ہو جبکہ حسن ہمیشہ سے موجود ہے اور ظاہر ہے کہ حسن کو کسی نے ضرور تخلیق کیا ہے اور حسن نام ہے ترتیب اور ہم آہنگی کا لہٰذا حسن کو تخلیق کرنے والا بھی پر آہنگ اور بالترتیب ہوگا اور ہر پر آہنگ چیز ایک وحدت رکھتی ہے جس سے اس کی ترتیب کا سلسلہ شروع ہوتا ہے اس لئے خدا بھی ضرور ایک وحدت رکھتا ہے کہ خدا کی ذات غیر مسلسل اور بے ترتیب نہیں ہوسکتی۔

اس کے بعد میں وہاں سے اٹھا اور بے مقصد کسی طرف چل دیا چلتے چلتے میں ایک مقام پر ٹھہر گیا اور سوچنے لگا کہ اب کس کے پاس خدا کی تلاش میں جاؤں کہ میرے ذہن میں ایک سیاستدان کا خیال آیا۔

===○===

سیاستدان

ہاں مجھے کسی سیاستدان کے پاس جانا چاہئے کہ جو مجھے خدا کی وحدت بتا سکے کہ وہ ایک عام بندہ بھی ہوتا ہے اور بعض دفعہ حکمران بھی ہوتا ہے لوگوں میں رہتا بھی ہے اور لوگوں کو اپنے ساتھ چلاتا بھی ہے ممکن ہے ان رموز نے اس پر خدا کی وحدت آشکار کردی ہو اور میں ایک سیاستدان کے پاس جاپہنچا۔ میں نے اس سے کہا کہ اے سیاستدان تو جو لوگوں سے وابستہ رہتا ہے کیا تو خدا کی وحدت کو جانتا ہے۔!

وہ بولا! خدا درحقیقت ہر شخص کی ملکیت ہے اور ملکیت کی تعریف یہ ہے کہ اس کے کھونے کا ڈر نہیں ہوتا انسان اپنی زندگی میں جتنی بھی مادی اشیاء اکٹھی کرتا ہے وہ سب فنا پذیر اور قابل فنا ہیں یہاں تک کہ خود انسان بھی قابل فنا ہے اور جو چیز بھی قابل فنا ہو گی اس کے ہمیشہ کھونے کا ڈر ہوگا۔ اس لئے حقیقت میں کوئی بھی مادی چیز ملکیت نہیں جبکہ المناک پہلو یہ ہے کہ انسان نے مادی اشیاء کو جب سے ملکیت جانا ہے وہ ہردم انکے حصول میں کوشاں نظر آنے لگا ہے اور آخر ان کے حصول کی تگ و دو میں خود بھی مرجاتا ہے۔ اور وہ جن اشیاء کے لئے تمام عمر لڑتا ہے وہ اس کا ساتھ چھوڑ دیتی ہیں' جبکہ خدا کائنات کی واحد ہستی ہے جس کے کھونے کا ڈر نہیں اس لئے درحقیقت خدا ہی کائنات کی ہر شے کی ملکیت ہے کہ جب کچھ نہ تھا تب بھی خدا تھا اور جب کچھ نہ ہوگا تب بھی خدا ہوگا اس لئے خدا کی ہستی کو کبھی زوال نہیں اور نہ ہی اس کے کھونے کا ڈر ہے جبکہ یہ کائنات اور اس کی ہر چیز قابل فنا ہے اس لئے کائنات اور اسکی ہر چیز کو ہردم کھونے کا ڈر ہے اور اس طرح خدا کائنات کی واحد ملکیت ٹھہرتی ہے اس لئے انسان کو چاہئے کہ وہ صرف خدا کو اپنی ملکیت جانے اور مادی اشیاء کی تقسیم میں خود کو معاشرے اور سماج کو انتشار کا شکار نہ ہونے دے دنیا میں کوئی چیز کسی کی ملکیت نہیں ہے سوائے خدا کی ذات کے جس دن دنیا نے یہ جان لیا اس دن کائنات امن و سکون کا گہوارہ بن جائے گی۔

مزید اس کے کہ وہ اپنی ان باتوں کو جاری رکھتا میں نے فوراً" کہا کہ گویا تمہارے

نزدیک خدا کی وحدت ملکیت میں ہے۔

وہ بولا! ہاں چونکہ کائنات کی واحد ملکیت خدا ہے اس لئے ملکیت ہی خدا ہے۔ یا خدا کی وحدت ہے۔

میں کچھ دیر خاموشی سے اس کی ان باتوں پر غور کرنے لگا اور خاصی دیر کے سکوت کے بعد میں بولا! یہاں تم نے ایک بڑا مسئلہ پیدا کردیا ہے کہ تمہارے نزدیک دنیا میں خدا بھی ایک ہے اور ملکیت بھی صرف ایک مگر دونوں ایک دوسرے میں ضم ہیں اس لئے ان میں سے ایک کو ڈھونڈنا درحقیقت دونوں کو ڈھونڈنے کے مترادف ہے یا ان دونوں کو ڈھونڈنا درحقیقت ایک کو ڈھونڈنا ہے۔ اس لئے میرے لئے یہ میرے تجسس کا حل نہیں اگر اس میں فرق ہے تو صرف اتنا کہ میں اسے خدا کی تلاش کی بجائے ملکیت کی تلاش سمجھ لوں۔

ڈاکٹر

اور اس کے بعد میں وہاں سے اٹھا اور چلتے چلتے ایک ڈاکٹر کے پاس پہنچا کہ میں نے سوچا کہ ڈاکٹر دوا دیتا ہے اور خدا شفا اس لحاظ سے خدا اور ڈاکٹر کا کافی گہرا تعلق بنتا ہے۔

اے بندہ خدا کیا تو خدا کی وحدت کو جانتا ہے؟ کیا تو جانتا ہے کہ خدا کی صفات کا سرچشمہ کہاں سے پھوٹتا ہے؟

وہ بولا!

ہاں خدا اس کائنات کا سب سے بڑا حکیم ہے جو ہر مرض کا علاج جانتا ہے اور خدا مسیحا ہے جو مردوں کو زندہ کرنے کا ہنر جانتا ہے۔

میں نے کہا!

ہاں یہ سب تو ٹھیک ہوسکتا ہے مگر مجھے تو خدا کی وحدت جاننی ہے۔

وہ بولا!

خدا کی وحدت ان ادویات میں ہے جو مریض کے وجود میں اتر کر اسے شفا بخشتی ہیں۔ ورنہ ان رنگین شربتوں اور ریت جیسے سفوف سے بنی ہوئی ان ادویات میں اتنی قوت کہاں کہ یہ کسی مرتے ہوئے شخص کو زندہ کرسکیں کہ مردوں کو زندہ کرنے کا ہنر خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا اور یہ ادویات تو فقط ایک ذریعہ ہیں جن کے ذریعے خدا کو انسان کے وجود میں منتقل کیا جاتا ہے۔

اس سے پہلے کہ وہ اپنی بات کو مزید آگے بڑھاتا میں فوراً بول پڑا۔ مگر وہ لوگ جو ادویات کھانے کے باوجود مرجاتے ہیں کیا ان ادویات میں خدا نہیں ہوتا اگر ادویات کی وحدت کے حوالے سے خدا انسان میں منتقل ہوجاتا ہے تو پھر انسان کو کبھی نہیں مرنا چاہئے۔

میری یہ بات سن کر وہ سوچ میں پڑ گیا اور جب کافی دیر چپ رہنے کے باوجود وہ کچھ نہ بولا تو میں نے اس سے کہا کہ اے بندے اگر اب تو مجھے میری بات کا جواب دے بھی دے تو قابل قبول نہ ہوگا کہ تو میرے سوال کا جواب اپنی سوچ کے دائروں میں ڈھونڈ رہا ہے اور اب تو جو بھی جواب دے گا وہ تیری سوچ کی انتہا ہوگی اور خدا کسی فرد کی سوچ کی انتہا نہیں

بلکہ مطلق حقیقت ہے اور میں یہ کہہ کر اس کی صحبت سے اٹھ آیا۔

===O===

مریض

جب میں ڈاکٹر کے دفتر سے باہر نکلا تو میری ملاقات ایک مریض سے ہوگئی میں نے اسے روکا اور اس سے کہا کہ اے بیمار شخص تو کہ ہر دم اپنی زندگی اور تندرستی کے لئے دعا گو رہتا ہے کیا تو جانتا ہے کہ خدا کی وحدت کا مقام کون سا ہے؟

وہ بولا! خدا کا مقام ان سانسوں میں ہے جو کسی مرتے ہوئے شخص کی عمر دراز کرتی ہیں۔ وہ سانسیں جو اسے زندگی بخشتی ہیں اور جن سانسوں کا مریض کے سینے سے گزرنے کا امکان تک بھی نہیں ہوتا وہی سانسیں خدا کی وحدت کا پتہ دیتی ہیں۔

میں اس کی یہ باتیں سن کر بولا کہ! کچھ بھی ہو مگر خدا کی وحدت انسان کی سانسوں میں نہیں ہوسکتی کیونکہ سانس موت اور زندگی کے درمیان ایک راہگزر ہے جس سے انسان جب تک گزرتا ہے زندہ رہتا ہے مگر جونہی وہ سانس کی شاہراہ سے گزرنا بند ہوجاتا ہے اسے موت آجاتی ہے ایسے میں اگر سانسوں کو خدا کا ٹھکانا مان لیا جائے تو اس طرح سے خدا کا وجود اک راہگزر کے سوا کچھ بھی نہیں جبکہ خدا کائنات کی ہر چیز کی منزل ہے راہگزر نہیں۔

مریض میری باتیں سن کر بولا! چند دن کی بات ہے یا شاید اس سے بھی کم کہ مجھے موت آجائے گی تب خدا کے دربار میں پہنچ کر خدا کے تمام بھید کھل جائیں گے۔

میں مسکرایا اور بولا!

مرنے کے بعد اگر خزانہ مل بھی جائے تو کیا حاصل اور یہ کہہ کر میں وہاں سے چل دیا۔

===O===

نفسیات دان

میں چلتے چلتے اک نفسیات دان کے پاس پہنچا اور میں نے اس سے پوچھا اے نفسیات دان تو کہ لوگوں کے چہرے سے ان کے جال جان لیتا ہے کیا تجھے یہ علم بھی ہے کہ خدا جو کائنات کا چہرہ لئے ہم سے ہر دم ملتا ہے اس کی روح کی وحدت کہاں ہے کیا تو خدائی صفات کے اس مرکز کو جانتا ہے جہاں سے اس کی صفات بکھرنا شروع ہوتی ہیں۔

وہ میرا سوال سن کر کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولا!

درحقیقت خدا کی صفات ہم پر دو اطراف سے آشکار ہوتی ہیں ایک تو مشاہدہ خارجی یعنی وہ علم جو ہماری آنکھ ہمارے ذہن کے پردے پہ چلاتی ہے اور جس کے مناظر کو پہچاننے کے بعد ہم بیرونی دنیا سے واقفیت حاصل کرلیتے ہیں اور چونکہ ہر چیز خدا کی بنائی ہوئی ہے اس لئے ہر چیز سے واقفیت درحقیقت خدا کی ذات سے شناسائی ہے اور دوسری صورت ہماری ذہنی اختراع کی ہے جسے تصور کہا جاتا ہے البتہ یہاں میں ایک نقطہ واضح کردینا چاہتا ہوں کہ سوچ تخیل اور تصور یہ تین بالکل علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں سوچ مشاہدہ خارج کی بدولت ہم کو اشیاء کی ماہیت پر غور کرنے میں اور انہیں جاننے میں مدد دیتی ہے اور تخیل سوچ کے انہی پہلوؤں کو جو خارج سے باطن تک آنے میں اپنے ساتھ بہت سے حقائق ساتھ لاتے ہیں انہیں نئے زاویوں سے دیکھنے میں مدد دیتا ہے یعنی فلاں چیز یوں ہے لیکن اگر یوں ہوجائے تو کیسا ہو اسی لئے شاعروں وغیرہ کا زیادہ تعلق تخیل سے ہوتا ہے کیونکہ وہ چیزوں کو نئے انداز سے دیکھتے ہیں لیکن ان میں سب سے اہم چیز تصور ہے کیونکہ اس کا تعلق خالصتاً ذہنی اختراع سے ہے یہ ان چیزوں کے خاکے بنانے کی اہلیت رکھتا ہے جو خارجی مشاہدے کی زد سے باہر ہیں مثال کے طور پر خواہش کا کوئی مادی وجود نہیں لیکن تصور کی قوت کی بدولت ہم اسے جان لیتے ہیں ہمارے تصور نے اس کا اک خاکہ تراشا ہوا ہے اور تصور کے ان خاکوں میں سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ نہ تو انہیں الفاظ کا جامہ پہنانا ممکن ہے اور نہ ہی ان کے اظہار کی کوئی اور صورت لیکن ان کے محسوسات کی قوت انسان کے وجود کی سب سے کامل قوت ہے۔ جس طرح خواہش کا بیرون ذہن کوئی خاکہ بنانا ممکن نہیں لیکن

خواہشات ہی ہماری حرکات و سکنات کو قبضے میں کئے ہیں اسی طرح خدا بھی ہمارے تصور میں تراشا ہوا اک خاکہ ہے جسکا بیرون ذہن کوئی خاکہ بنانا ممکن نہیں۔ مگر یہ ہماری زندگی پر پوری طرح چھایا ہوا ہے۔ لہٰذا خدا کی وسعت تصور میں ہے یہی اس کا مرکز ہے اور یہی اسکی صفات کا سرچشمہ بالکل اسی طرح جس طرح میں نے خواہش کی قوت کی حقیقت بیان کی تھی کہ جس کا بیرون ذہن خاکہ بنانا تو ممکن نہیں مگر یہ محسوسات میں ہمارے وجود پر سب سے حاوی چیز ہے میری اس بات کو تقویت اس امر سے بھی ملتی ہے کہ خدا کی تمام صفات غیر مادی یعنی تصوراتی ہیں۔ مثلاً" کہ وہ رحم کرنے والا انصاف کرنے والا معاف کرنے والا اور وہ پالنے والا ہے وغیرہ اب یہ تمام چیزیں خواہش کی طرح کے افعال ہیں۔ جن کا کوئی مادی وجود نہیں اور اس کے بعد وہ خاموش کر معنی خیز نظروں سے میری طرف دیکھنے لگا۔ کچھ دیر اس کی باتوں پر غور و خوض کرنے کے بعد میں بولا! تونے اپنی بات کو دراصل الجھا دیا ہے اور وہ یوں کہ تم نے کہا کہ خدا کی حقیقت ہم پر دو اطراف سے آشکار ہوتی ہے۔ اولاً" خارجی مشاہدہ سے اور دوسرا ذہنی اختراع کی تیسری حالت تصور ہے اور تم نے یہ بھی کہا کہ ہر وہ خارجی چیز جو ہماری آنکھ دیکھتی ہے وہ ہمیں درحقیقت خدا کا پتہ دیتی ہے۔ تو اس کا مطلب ہے کہ خارجی مشاہدہ ہمارے ذہن میں خدائی تصور کے خدوخال واضح کرتا ہے۔ اگرایسا ہے تو پھر تم خود ہی تصور کی اخذ کردہ تعریف کو جھٹلا دیتے ہو جو تم نے بیان کی ہے لیکن اگر تم یہ کہتے ہو کہ جو ہم دیکھتے ہیں وہ خدائی صفات ہیں اور جو ہم خدا کے وجود پر بغیر کسی مشاہدے کے خالص ذہنی قوت سے سوچتے ہیں وہ تصور ہے تو پھر مجھے یہ بتاؤ کہ کسی وجود سے اسکی صفات کیسے جدا کی جاسکتی ہیں۔

میری یہ باتیں سن کر وہ بھی کچھ دیر سوچ میں غرق رہا اور پھر اس نے میری باتوں کی تصدیق یا تردید کئے بغیر بات کو ایک نئے انداز سے کہنا شروع کیا! درحقیقت خدا اک آوارہ نوجوان کی طرح ہے جس کے آثار ہر کہیں پائے جاتے ہیں جس طرح ایک آوارہ نوجوان کہیں بھی مل سکتا ہے اس طرح کائنات کی ہر چیز میں خدا کی موجودگی کے آثار پائے جاتے ہیں لیکن آخر کار خدا جب اس آوارگی سے تھک جاتا ہے تو انسان کے تصور میں سمٹ جاتا ہے اس لئے تصور ہی میں دراصل خدا کی وحدت مضمر ہے اور اس کے بعد وہ خاموش ہوگیا۔

اس کی یہ باتیں سن کر مجھ پر اس کے سوچ کے تضادات واضح ہوگئے کہ درحقیقت وہ خدا کی وحدت کو ثابت کرنے کی بجائے اپنی باتوں کو سچ ثابت کرنے کی جستجو میں ہے۔ بجائے

اس کے کہ وہ میرے سوال کی تردید یا تصدیق کرتا اس نے پرانی تصویر کو نئی جگہ آویزاں کرنے کی کوشش کی ہے جو ہرگز میرے لئے باعث تشفی نہیں۔

سنگتراش

میرا ذہن ایک زبردست ہیجان کا شکار تھا کہ میں خدا کی تلاش میں اب تک کیوں کسی سرے تک نہیں پہنچ سکا اور یہی ایک سوچ مجھے عمل کی طرف متحرک کر رہی تھی۔ اور یوں میں ایک سنگتراش کے پاس گیا کہ میں نے سوچا کہ سنگتراش جو خدا کو تراشتا ہے شاید وہ خدا کی وحدت کے رموز جانتا ہو!

میں نے اس سے پوچھا کیا تو خدا کی وحدت کو جانتا ہے؟

وہ بولا! خدا اس پتھر میں ہے جسے میرے ہاتھ تراشتے ہیں اور پھر یہ بدنما اور بے جان پتھر مقدس ہو کر عبادت و پرستش کے قابل ہو جاتا ہے۔ میں نے کہا لیکن اگر تیرے ہاتھ ہی پتھر کو بندگی کے قابل بناتے ہیں تو اس حوالے سے خدا کی وحدت تیرے ہاتھوں میں ٹھہرتی ہے۔

وہ بولا! شاید تم اپنی عقل کے مطابق ٹھیک سمجھے ہو مگر ماجرا یہ نہیں بلکہ ایسا ہے کہ خدا ایک نادان بچے کی طرح اس پتھر کے اندھیرے میں کھو جاتا ہے اور میرے ہاتھ روشنی بن کر خدا کو پتھر کے اندھیروں کی بھول بھلیوں سے نکال لاتے ہیں اور تب یہ پتھر خدا بن جاتا ہے اور لوگ اسے پوجنے لگتے ہیں۔ اب شاید تم سمجھ سکو کہ خدا میرے ہاتھوں میں نہیں بلکہ پتھر ہی میں گم ہے۔

میں نے کہا! اگر خدا پتھر میں ہے تو کیوں یہ متحرک نہیں اور کیوں یہ بولنے کی قوت سے محروم ہے۔

وہ بولا! خدا بڑا عظیم و برتر ہے کہ اس نے اپنی قوت گویائی انسانوں کو بخش دی ہے اپنی حرکت بادلوں، ہواؤں، سمندروں اور جانداروں کی نذر کردی ہے کہ یہ سب کمزور ہیں اور عظیم و برتر خدا نے اپنے عضو کاٹ کر انہیں قوت بخشی ہے کہ یہ زندہ رہ سکیں مگر اس کے باوجود اس خدا میں اتنی قوت ہے کہ لوگ اب بھی اس کی اطاعت و عبادت کرتے ہیں۔

میں نے کہا! مجھے تمہاری ان باتوں سے قطعی اختلاف ہے کہ خدا ایک وحدت ہے جو دنیا میں ضرور کہیں موجود ہے اور تم نے خدا کی جو تعریف کی ہے اس میں خدا ایک تقسیم

شدہ عنصر ہے جبکہ خدا کی تخلیقات اتنی ناقص و ناپائیدار نہیں کہ اسے ان کی تکمیل کے لئے اپنے عضو کاٹنے پڑیں۔

===O===

مصور

میں خود میں تجسس کی لذتیں چھپائے سنگتراش کے ماحول سے فرار ہوا اور تجسس کے اس نشے سے مخمور میں ایک مصور کے پاس جا پہنچا کہ شاید رنگوں کے تسلط نے اس میں خدا کی وحدت آشکار کردی ہو۔ میں نے دیکھا کہ وہ زندگی کو رنگوں کا آئینہ بنا رہا تھا میں نے اس سے پوچھا کہ اے مصور کیا تو خدا کی وحدت کو جانتا ہے۔

وہ بولا!

مجھے کائنات کا کوئی ایسا مصور بتا دو جسے خدا کا ٹھکانہ معلوم نہیں۔

میں نے کہا! گویا تم خدا کا مقام جانتے ہو!

وہ بولا!

ہاں خدا کا مسکن رنگوں کے سوا کہاں ہو سکتا ہے وہی رنگ جو تخیل کی رنگینیوں کو قرطاس پر منتقل کرسکتے ہیں جو کائنات کے پردے پر ہر دم بدلتے ہوئے نظاروں کو جامد و ساکت کرسکتے ہیں جو انسان کو اشیاء میں تمیز پیدا کرنے کی صلاحیت بخشتے ہیں اور رنگوں کی سب سے بڑی خوبی جس کے تحت خدا ان میں سمانے پر مجبور ہو گیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ رنگ کائنات کو نت نئے رنگوں میں پیش کرسکتے ہیں کائنات کو ایک نئے انداز سے پیش کرسکتے ہیں اور ہمارے لئے یہ علم ضروری ہے کہ خدا ہی ہے جو کائنات کے خدو خال سنوارنے بگاڑنے یا بدلنے کی صلاحیت رکھتا ہے اس لئے درحقیقت خدا انہی رنگوں میں چھپ کر کائنات کو نت نئے انداز سے دیکھتا ہے اور پھر ان میں سے اسے جو انداز پسند آتا ہے وہ ویسے ہی کائنات کو بدل دیتا ہے کائنات کا ارتقاء و تغیر رنگوں کے بغیر ممکن نہیں۔ اس لئے خدا کا مسکن رنگوں کے علاوہ ممکن ہی نہیں ہو سکتا اس لئے خدا کا مسکن یا اس کی وحدت رنگوں کے علاوہ ممکن نہیں۔

میں نے کہا لیکن خدا کا کام فقط کائنات میں تغیر و تبدل پیدا کرنا ہی نہیں بلکہ کائنات کی تخلوقات کو پالنا بھی ہے اس لئے اس کی وضاحت بھی تو ضروری ہے۔

وہ بولا!

ہاں اس لئے تو خدا کائنات میں تبدیلیاں پیدا کرتا ہے تاکہ وہ اپنی مخلوق کے لئے زندہ رہنے کے زیادہ سے زیادہ سامان پیدا کرسکے۔ اس لئے زمین جب بھی اپنا سینہ پھاڑتی ہے تو وہ مخلوقات کے لئے انمول خزانے اگل دیتی ہے۔ جنہیں پاکر انسان زیادہ ترقی کررہا ہے کنویں کھودے جائیں تو تیل نکلتا ہے زمین کا سینہ جتنا چیرا جائے اتنا اناج پیدا ہوتا ہے۔

ابھی وہ کائنات میں تبدیلی کے فوائد گنوا ہی رہا تھا کہ میں فوراً بولا:

مگر آج سے ہزار برس پہلے انسان اتنا بھوکا نہ تھا جتنا آج ہے۔ جبکہ ان ہزاروں سالوں میں زمین نے نجانے کتنی بار اپنا شکم پھاڑ کر انسان کو اپنے انمول خزانوں سے نوازا ہے مگر یہ تمام خزانے بھی انسان کی بڑھتی ہوئی بھوک کو نہیں مٹا سکے اس لئے مجھے تم سے اتفاق نہیں کہ کائنات میں تغیر مخلوق کے زندہ رہنے کے سامان پیدا کرتا ہے اس لئے تمہاری بیان کردہ باتیں حقائق پر مبنی نہیں۔

===○===

اداکار

خدا کی تلاش میں میرا گزر ایک سٹوڈیو کے سامنے سے ہوا جہاں میں نے ایک اداکار کو دیکھا جو اپنے چہرے کے خطوط کو عجیب طرح سے بگاڑ رہا تھا اور وہ ایک ہجوم میں گھرا عجیب حرکتیں کر رہا تھا جب وہ اپنے کام سے فارغ ہوا تو میں اس کے پاس گیا اور میں نے اس سے کہا۔!

اے اداکار! تو جو اپنی ذات میں نجانے کتنے کردار سمیٹے ہے کیا تو خدا کی وحدت کے متعلق کچھ جانتا ہے؟

وہ بولا!

خدا اس کائنات کے سب سے بڑے ڈرامے کا خالق و ہدایت کار ہے جس نے کائنات کی ہر چیز کو ایک مخصوص کردار کے تحت پیدا کیا ہے بالکل اسی طرح جس طرح ایک کہانی نویس اپنی کہانی کیلئے خود کردار تجویز کرتا ہے اور انہیں خود ہی کسی موڑ پر پیش کرتا ہے اور خود ہی اپنے کرداروں کو ایک انجام دے دیتا ہے۔ اسی طرح خدا بھی ہر کردار کے کام کے خاتمے کے بعد اس کردار کو واپس پردے کے پیچھے بلا لیتا ہے اور اس کی جگہ ایک نئے کردار کو جنم دے دیتا ہے۔

میں نے کہا کہ ہو سکتا ہے جو تم کہہ رہے ہو وہ تمہاری سوچ کے مطابق درست ہو مگر تم نے جو کچھ بتایا اس میں مجھے خدا کی وحدت کے متعلق کچھ بھی نظر نہیں آیا۔

وہ بولا!

کسی بھی چیز کے ٹھکانے کی تلاش کے لئے ضروری ہے کہ پہلے اس کے کردار کا تعین کیا جائے اور جب ہمیں پتہ ہے کہ خدا اس ڈرامے کا تخلیق کار ہے جس کا نام اس نے دنیا رکھا ہے اور اس ڈرامے کو اس نے کائنات کی سٹیج پر پیش کیا ہے تو پھر خدا کا پتہ ڈھونڈنا مشکل نہیں کہ اب صاف ظاہر ہے کہ خدا کا ٹھکانا سٹیج کے اس پردے کے پیچھے ہے جہاں سے سارے ڈرامے کو کنٹرول کیا جا رہا ہے۔

میں نے کہا تمہاری باتوں میں منطقی طور پر تو صداقت پائی جاتی ہے مگر یہ بات بھی

الجھن سے خالی نہیں اور الجھن یہ ہے کہ آخر خدا کائنات کی سٹیج کے کون سے پردے کے پیچھے چھپا ہے آسمان کے بادلوں کے پیچھے زمین کی تہوں کے نیچے یا سمندر کی وسعتوں سے پرے۔

اس نے جب میری یہ بات سنی تو بولا! ہاں یہ مسئلہ یقیناً غور طلب ہے لیکن جہاں تک میرا خیال ہے خدا آسمان کے بادلوں کے پیچھے بیٹھا سارے ڈرامے کو کنٹرول کر رہا ہے۔

میں نے جب اس کی یہ بات سنی تو میں نے کہا کہ تیری اس بات میں دو نقائص پائے جاتے ہیں۔ پہلا یہ کہ یہ بات تو نے خیال کے حوالے سے ظاہر کی ہے جو فوراً تیرے ذہن میں نمودار ہوئی ہے اور دوسرے اگر اسے میں مان بھی لوں تو مذہبی راہنما کے اس مفروضے سے مختلف نہیں کہ خدا آسمان پہ رہتا ہے۔ جسے میں پہلے ہی رد کر چکا ہوں اور اس طرح میں آگے بڑھ گیا۔

===○===

موسیقار

کچھ ہی دور مجھے ایک موسیقار نظر آیا جو مختلف سازوں کی لے پہ مختلف سر تلاش کر رہا تھا میں اس کے پاس گیا اور میں نے اس سے پوچھا کہ کیا تم جانتے ہو کہ خدا کی وحدت کہاں ہے؟

وہ بولا :

گو کہ خدا کی وحدت کو کوئی نہیں جانتا مگر مجھے یقین ہے کہ اگر خدا کا کوئی ٹھکانہ ہے تو وہ سازوں کے تاروں سے مرتعش ہونے والی وہ ہم آہنگی و ترتیب ہے جو انسان کی روح پہ وجدان کی کیفیت طاری کر دیتی ہے اور انسان کا ہر رنگ تھرکنے لگتا ہے اور جس کی نوعیت کے بدلنے سے انسان سکوں کی گہرائیوں یا ہنگامہ آرائیوں میں گم ہو جاتا ہے پھر وہ مزید وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ کائنات کیا ہے اور اس کی سلامتی کا راز کیا ہے سوائے ہم آہنگی و ترتیب کے کہ کائنات ایک مسلسل نظام کی ترتیب پر قائم ہے اسی لئے تو یہ کائنات ابھی تک اتنی ہی دلکش ہے جتنی کہ ہمیشہ تھی ایک سریلے اور پر آہنگ گیت کی طرح جو سننے میں ہمیشہ اچھا لگتا ہے لیکن جب کائنات سے یہ ترتیب اور ہم آہنگی ختم ہو جائے گی تو کائنات ہمیشہ کے لئے نیست و نابود ہو جائے گی اور جب تک یہاں نئی ترتیب پیدا نہ ہوگی کائنات کی دوبارہ تشکیل کے امکانات مفلوج رہیں گے۔ اس شور کی طرح جو ہم آہنگی کھو دینے کے باعث کبھی گیت نہیں بن سکتا۔

اس کے بعد وہ خاموش ہوگیا مگر اس کے خاموش ہونے کا انداز ایسا تھا کہ مجھے محسوس ہوا کہ یہ ابھی کچھ اور کہنا چاہتا ہے۔ لہٰذا میں فوراً بولا کہ :

پہلی بات تو یہ کہ تم نے جتنی باتیں کی ہیں وہ سب امکان کی حدود میں ہیں اور مجھے ممکن نہیں یقین کی ضرورت ہے اور اگر تمھارے اس امکان کو صحیح مان بھی لیا جائے تو بھی اس بات میں صداقت نہیں کیونکہ سازوں سے پیدا ہونے والی ترتیب و ہم آہنگی درحقیقت انسانی عضلات کے ایک خاص انداز میں حرکت کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ ترتیب و ہم آہنگی سازوں میں نہیں انسانی عضلات میں ہے دوسرے یہ کہ کائنات ہمیشہ سے ترتیب و

ہم آہنگی کا مرقع نہ تھی بلکہ یہ لاکھوں سال کے ارتقاء کے باعث اپنی صورت سنوار سکی ہے اس لئے اس کی ترتیب ازلی نہیں بلکہ ارتقائی ہے اور چونکہ خدا ازلی ہے اس لئے ترتیب کو بھی ازلی ہونا چاہئے تھا۔ اس لئے مجھے تیری ان باتوں سے اختلاف ہے۔

===O===

گلو کار

اس موسیقار کے ساتھ ہی ایک گلو کار بیٹھا تھا اب میں اس گلو کار سے مخاطب ہوا اور میں نے اس سے پوچھا کہ اے گلو کار تو جو آواز کو امر کرنا جانتا ہے کیا تو خدا کی وحدت کو جانتا ہے؟

وہ بولا:

خدا کی وحدت آواز میں ہے وہ آواز جو ہمیں چیزوں کی ماہیت کا علم بخشتی ہے کائنات کی ہر چیز اک نام کی محتاج ہے یہاں تک کہ خدا بھی اس زمرے سے باہر نہیں اور پھر یہ نام محتاج ہیں آواز کے۔ ہو سکتا ہے کہ یہاں تم یہ سوچو کہ نام لکھے بھی تو جاسکتے ہیں مگر ہمیں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ انسان نے بولنا پہلے شروع کیا تھا اور لکھنا بعد میں اس لئے درحقیقت نام کو بھی آواز نے ہی جنم دیا ہے کائنات کی ہر چیز ہم سے اک نام سے متعارف ہے ان میں سے لاکھوں چیزیں ایسی ہیں جو ہمارے چھونے کی حد سے باہر ہیں مگر اک نام کے حوالے سے ہمارا انہیں جاننے کا رشتہ اتنا ہی گہرا ہے۔ جتنا کہ چھوئی جانے والی چیزوں سے یہاں تک کہ ایک اندھا بھی کائنات کو آوازوں ہی سے جانتا ہے بس یہ آواز ہی ہے جس نے کائنات کی ہر چیز کو تمام انسانوں سے ایک ہی انداز سے متعارف کروایا اور خدا کی دو صفات ہیں کہ اس نے انسان کو علم بخشا ہے اور دوسری یہ کہ وہ سب انسانوں سے برابر پیش آتا ہے اور یہ دونوں خوبیاں آواز میں موجود ہیں اور یہ کہہ کر وہ خاموش ہوگیا۔

اس کی یہ تمام باتیں سن کر میں نے اس سے کہا کہ گو تیرے دلائل مضبوط سہی مگر یہ حقیقت نہیں بن سکتے کہ وہ لوگ جو سننے کی قوت سے محروم ہیں کیا انکے لئے خدا کا یہ تصور ممکن ہے؟ ہرگز نہیں۔ ان کے لئے خدا کا تصور کیا ہے۔ کچھ بھی ہو مگر یقیناً" یہ نہیں ہوگا اور جیسا کہ تم نے خود ہی کہا کہ خدا سب انسانوں سے برابر پیش آتا ہے تو انسانوں کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ اس کے ایک عالمگیر وجود کو تسلیم کریں اور جس طرح وہ اپنی مخلوق سے ایک سا پیش آتا ہے تو ضروری ہے کہ اس کی مخلوق بھی ایک ہی طرح ایک ہی انداز سے ایک ہی مکتبۂ فکر سے اسے محبت کرے کہ پھر کچھ ممکن نہیں کہ خدا کو آسمان کی

دوریوں کی بجائے زمین کی وسعتیں راس آتے ہیں مگر انسانوں کا عقیدت کے اک نقطے پہ متفق ہونا ممکن نہیں اس لئے خدا ہمیشہ کائنات کی وسعتوں میں گم ہی ملے گا مگر اس کے باوجود یہ کہیں نہ کہیں غیر منقسم صورت میں موجود ہے کیونکہ خدا شاید انسانوں سے مایوس نہیں کہ شاید اسے یقین ہے کہ میرے تمام بندے کبھی عقیدت کے اک نقطے پر متفق ہوجائیں گے اور تب میں اس مقام سے جہاں خدا تقسیم ہوئے بغیر موجود ہے ایک وحدت کی صورت نمودار ہوجاؤں گا۔ مگر افسوس کہ یہ میری سوچ کا اک امکان ہے اور مجھے امکان کی بجائے یقین پہ کامل بھروسہ ہے اور اسی لئے میں خدا کی تلاش میں سرگرداں ہوں کہ خدا کے وجود اور وحدت کا امکان کی زلزلہ زدہ زمین کی بجائے یقین کی وادیوں میں اس کا استقبال کروں۔

===○===

طوائف

خدا کی تلاش میں میں اب ایک طوائف کے پاس گیا جس کے گرد چند لوگ بیٹھے اس کی بیباک حرکتوں پر روپے نچھاور کر رہے تھے میں وہیں بیٹھا یہ تماشا ختم ہونے کا انتظار کرنے لگا جب تماشا ختم ہوا تو وہ خود ہی میرے پاس آئی اور کہنے لگی بتایئے حضور میں آپ کی کیا خدمت کر سکتی ہوں۔؟

میں نے کہا کہ میں جس مقصد کے لئے تمھارے پاس آیا ہوں اگر تم میری کچھ مدد کر سکی تو میں ایک بہت بڑی مصیبت سے نکل آؤں گا!

وہ بولی:

میں سمجھ گئی کہ یہاں سب لوگ ایک ہی الجھن میں مبتلا آتے ہیں۔!

مزید اس کے کہ وہ کچھ اور کہتی میں جلدی سے بولا -: جو تم سمجھ رہی ہو وہ نہیں ہے اور اسکے ساتھ ہی میں نے اپنا مدعا کہہ دیا۔!

وہ ایکدم سے سنبھلی اور کچھ دیر سوچنے کے بعد کہنے لگی خدا اس کائنات کا سب سے بڑا **تماشبین** ہے جو اپنی آسودگی طبع کی خاطر اس کائنات کے کرداروں کو اپنی منشاء کے مطابق نچواتا ہے اور پھر انہی کو جزا و سزا کی خبر سناتا ہے جیسے کہ ہم فقط کسی **تماشبین** کی خاطر اور اس کی دولت کے حصول کی خاطر ناچتی ہیں مگر جب اس کا جی ہم سے بھر جاتا ہے تو وہ ہمیں گالیاں دینے لگتا ہے اور ہمیں معاشرے کی بدترین عورت سمجھتا ہے حالانکہ ہماری ذات سے ہی وہ لطف اندوز ہوتا ہے مگر پھر ہمیں ہی بدکار عورت کہتا ہے اور یہی ماجرہ خدا کا بھی ہے کہ وہ خود ہی لوگوں کو اچھے اور برے گھروں میں پیدا کرتا ہے جس کے باعث لوگ اچھے اور برے بن جاتے ہیں اور پھر خود ہی انہیں جزا اور سزا کی خبر سناتا ہے۔

مزید اس کے کہ وہ کچھ اور کہتی میں بول پڑا کہ تو نے کہا کہ خدا اس کائنات کا سب سے بڑا تماشبین ہے لیکن یہ نہیں بتایا کہ اس خدا یا اس تماشبین کی وحدت کہاں ہے۔

وہ جھٹ بولی -!

"اس کا ٹھکانہ کائنات کے اسی کوٹھے پر کہیں ہوگا۔"

میں نے کہا ۔!

"لیکن یہ کائنات تو بہت بڑی ہے کیا معلوم کے کونسی سمت میں اس کا ٹھکانہ ہوگا۔"

وہ بولی ۔!

" اس کا مجھے علم نہیں اس کا ٹھکانا کونسی سمت ہے اور پھر ہنستے ہوئے بولی۔" تماشبین کا کیا ہے ابھی ادھر تھا تو ابھی ادھر نشے میں جو رہتا ہے۔!

اسکی یہ باتیں سن کر میں آہستہ آہستہ اس کے کوٹھے کی سیڑھیاں اترنے لگا۔

===O===

عاشق

میں نے عشق کے متعلق بہت سی باتیں سن رکھی تھیں اس لئے میں نے سوچا کہ مجھے کسی عاشق سے خدا کی وحدت کا پوچھنا چاہیے لہٰذا میں چلتے چلتے ایک عاشق کے پاس پہنچا اور میں نے اس سے کہا کہ اے عاشق تو کہ عشق کے رموز جانتا ہے اور میں نے سنا ہے کہ خدا کا عشق سے بہت گہرا تعلق ہے کیا تو خدا کی وحدت کو جانتا ہے۔؟

وہ بولا -! خدا وہ ہے جسے چاہا جائے جس کے خیالوں پہ سوچ ٹھہر جائے۔ جس کے خوابوں سے راتیں روشن ہو جائیں اور کائنات کا تمام حسن جس کے وجود پر تلاش کیا جا سکے۔

میں نے کہا شاید تم خدا کی تعریف کر رہے ہو! جبکہ مجھے خدا کی وحدت کی تلاش ہے!

وہ کچھ دیر سوچنے کے بعد بولا! ہاں خدا کی وحدت دو چاہنے والوں کی نگاہوں میں ہے جب وہ ایک دوسرے کے رو برو ہوں ان کی زبانیں گنگ ہوں اور آنکھیں ایک دوسرے پر چاہتوں کے رموز منکشف کر رہی ہوں اور وہ کلام جو الفاظ کے جام میں ڈالے بغیر روح کی گہرائیوں میں اتر کر اسے مسحور کر دے بس اسی کلام میں خدا کی وحدت ہے۔

میں نے کہا تمھاری باتوں میں الجھاؤ ہے۔ اس لئے انہیں ذرا واضح کرو۔

وہ بولا -!

وہ مقام جہاں دو چاہنے والوں کی نظروں کی شعاعیں آپس میں ٹکرا کر منعکس ہوں۔ درحقیقت خدا کی وحدت کا مقام ہے۔ وہاں محبت کی قوتوں کا سنگم ہوتا ہے اور جہاں قوت ہوگی وہاں وجود بھی پایا جائے گا اور محبت ہی وہ قوت ہے جس کی قوت نظام کائنات قائم ہے لہٰذا قوت جتنی عظیم ہوگی وجود بھی اتنا ہی عظیم ہوگا اور سب سے عظیم و جلیل وجود خدا ہی کا ہو سکتا ہے کیونکہ اس میں سب سے عظیم قوت، محبت موجزن ہے۔

میں نے اس کی باتوں کو غور سے سنا اور ان کی باتوں پر غور و خوض کرنے کے بعد میں اس سے گویا ہوا۔ تم نے خدا کی وحدت ایک قطعی غیر ماحولیاتی حوالے سے بیان کی ہے جس کا تصور تو کیا جا سکتا ہے مگر جس کا مادیت کے حوالے سے حقیقت سے واسطہ نہیں دو چاہنے

والوں کی نظروں کی منعکس شعاعوں کے مقام کو تلاش کرنا خود ایسا ہی گھمبیر مسئلہ ہے جیسا کہ خدا کی وحدت اس لئے تیری یہ باتیں ابہام کا شکار ہیں اس لئے قابل قبول نہیں اور میں آگے بڑھ گیا۔

===○===

محبوب

میں نے سوچا کہ مجھے خدا کی وحدت کا کسی ایسے شخص سے پوچھنا چاہیئے جو چاہا گیا ہو گویا جو کسی کا محبوب ہو کہ اس عاشق کی باتیں اپنے محبوب کی مدح سرائی سے مزین تھیں لہٰذا میں ایک بہت حسین لڑکی کے پاس گیا جس کے کئی چاہنے والے تھے۔ میں نے اس سے پوچھا !

اے حسینہ تو کہ چاہتوں کے رموز جانتی ہے کیا تو جانتی ہے کہ خدا کی وحدت کا مقام کونسا ہے؟

وہ بولی - !

حسن شباب اور جوانی جہاں مل جائیں وہی مقام خدا کا مسکن ہے اور کائنات کی وسعتوں میں انسان کا وجود ہی وہ سرائے ہے جہاں خدا کچھ دیر قیام کے بعد کہیں اور چلا جاتا ہے ورنہ کائنات کی ہر اس چیز میں خدا ہمیشہ سے موجود ہے جس میں حسن شباب اور جوانی ہمیشہ قائم رہتا ہے اور وہ مختصر سا وقت جب خدا انسان کے وجود میں قیام کرتا ہے تو انسان کو چاہیئے کہ وہ اپنی پرستش کروائے لوگ اس کے گرویدہ ہو جائیں کہ درحقیقت یہ پرستش اور گرویدگی اس خدا کی ہوگی جو مختصر سے وقت کے لئے انسان میں آن چھپا ہے۔ یہ کہہ کر اسنے باتوں میں وقفہ دیا تو میں فوراً بول اٹھا کہ !

مانا کہ حسن شباب اور جوانی کے باہم مل جانے سے خدا انسان میں کچھ دیر کے لئے چھپتا ہے اگر ہم اس بات کا یقین بھی کر لیں تو پھر یہ لازماً ماننا پڑے گا کہ خدا کا یہ مقام مستقل نہیں بلکہ عارضی ہے گویا خدا ایک تغیر پذیر ہیولہ ہے جو آج یہاں ہے تو کل نہ جانے کہاں ہو - لہٰذا اس حوالے سے خدا کی وحدت کے مقام کا تعین نہیں ہو سکتا کہ تغیر **مستقلیت** کی ضد ہے جبکہ خدا کی وحدت کبھی بھی متغیر نہیں ہو سکتی بلکہ یہ جہاں بھی ہوئی مستقل ہوگی۔!

یہ کہہ کر میں خاموش ہو کر منتظر نگاہوں سے اس لڑکی کی طرف دیکھنے لگا مگر وہ اپنے چہرے پر ٹھہری ہوئی ان نگاہوں کا غلط مطلب سمجھی اور بڑے شرمیلے انداز سے پوچھنے لگی کہ

آپ میری طرف ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں -□

اس کی یہ بات سنتے ہی میں فوراً وہاں سے چل دیا میں سمجھ گیا کہ یہ لڑکی صرف اپنے حسن کی اسیر ہے۔

===○===

بچہ باپ اور ماں

میں اک باغ سے گزرتے ہوئے کچھ دیر ستانے کے لئے وہاں بیٹھ گیا میں نے دیکھا کہ باغ میں بہت سے بچے کھیل رہے ہیں میں بچوں کو کھیلتے دیکھ کر بہت خوش ہوا مجھے ان کی معصومیت پہ بہت پیار آرہا تھا میں نے سوچا کہ خدا اور بچہ آپس میں کتنے ملتے ہیں کہ دونوں معصوم ہیں معصومیت خدا کا بنیادی وصف ہے اور بچہ معصومیت کا پیکر ہوتا ہے اور میں نے سوچا کہ کیوں نہ کسی بچے سے خدا کی وحدت کا پوچھا جائے کہ ممکن ہے کہ خدا کی بنیادی ضرورت کی ہم آہنگی کے باعث یہ بچہ خدا سے معرفت رکھتا ہو۔

یہ سوچ کر میں نے ایک بچے کو گود میں اٹھایا اور اسے پیار کرتے ہوئے بڑے پیار سے پوچھا کہ -:

بیٹا کیا تم جانتے ہو کہ خدا کہاں رہتا ہے؟

بچہ توتلی زبان میں بولا - !

میری امی کہتی ہیں کہ میرے ابو مجھے خدا کے گھر سے لائے تھے !

مجھے بچے کے اس بھولپن پہ بہت پیار آیا؛ اور میں نے اس سے کہا کہ بیٹے آپ مجھے اپنے امی ابو سے ملوا سکتے ہیں۔

وہ بولا - !

ہاں اور مجھے اپنے گھر لے گیا جہاں میں اس بچے کے باپ سے ملا اور کچھ دیر رسمی باتوں کے بعد میں نے اس سے کہا کہ :

کیا آپ خدا کی وحدت جانتے ہیں؟

وہ میرا سوال سن کر کچھ دیر خاموش رہا اور پھر بولا ! خدا کی وحدت اس کے اس وعدے میں ہے جو اس نے اپنی مخلوق سے کر رکھا ہے اور وہ وعدہ ہے کہ میں اپنی مخلوق کو رزق دینے کا ذمہ دار ہوں !

اس لئے ہم بندے تو درحقیقت اس کے وعدے کے کردار ہیں کہ ہم جو صبح سے لیکر شام تک روزی کمانے کے چکر میں رہتے ہیں اور اپنے بچوں کی ضروریات پوری کرتے ہیں

اور ہمارے بچوں کی ضرورت میں سب سے اہم ضرورت خوراک کی ہے اور جب ہم انہیں خوراک بہم پہنچاتے ہیں تو درحقیت ہم خدا کے وعدے کی تکمیل کرتے ہیں اور ہمارے وجود کی تخلیق اور اس کے ارتقاء کا سبب ہمارا دراصل خدا کے وعدے کی تکمیل کا حصہ ہیں اور چونکہ ساری دنیا رزق کمانے کے چکر میں رہتی ہے اس لئے ساری مخلوق دراصل خدا کے وعدے کی تکمیل میں کوشاں ہے۔

ابھی وہ اپنی بات کو جاری رکھنا چاہتا تھا کہ میں بول پڑا!

مگر وعدہ تو اک غیر مرئی سی چیز ہے جو انسانی زندگی کی بناوٹ میں تو کردار ادا کرتا ہے مگر کائنات کی تشکیل میں اس کا کوئی حصہ نہیں اور اگر میں یہ مان لوں کہ وعدہ خدائی وحدت کا مرکز ہے تو پھر لازماً ماننا پڑے گا کہ کائنات میں خدا کے آثار موجود نہیں اور جب اس دنیا سے انسان ختم ہوگئے یا یہ کہ جب اس دنیا میں انسان نہ تھے تو تب نہ خدا ہوگا اور نہ خدا تھا یعنی انسانوں کے باعث خدا ہے اور اگر انسان نہ رہے تو خدا بھی نہ ہوگا تو میں یہ کسی طور پر بھی ماننے سے انکاری ہوں کہ خدا تخلیق ہے خالق نہیں۔!

میری یہ باتیں سن کر اس بچے کا باپ کسی گہری سوچ میں مجھے نظر آیا۔ اسے اس حالت میں دیکھ کر میں بچے کی ماں سے مخاطب ہوا اور بولا۔!

اے خاتون کیا آپ خدا کی وحدت کے متعلق جانتی ہیں۔؟

وہ بولی۔!

مجھے تو ایسے لگتا ہے کہ خدا میرے اس بچے کی معصوم اور بھولی بھالی باتوں میں رہتا ہے کہ جس وقت یہ باتیں کرتا ہے تو مجھے ایسے لگتا ہے کہ خدا اسی میں سے بول رہا ہے۔

میں اس کی اس بات پہ مسکرایا اور سوچنے لگا کہ خدا کے معاملے میں بھی اسیر ممتا غالب آرہی ہے جبکہ یہی بچہ بڑا ہوگا تو جھوٹ بولے گا اور غلیظ بکے گا تو کیا اس وقت بھی اس میں سے خدا ہی بول رہا ہوگا۔ بے چاری ممتا کی ماری ہوئی اور میں ایک طرف کو چل دیا۔

===○===

استاد

چلتے ہوئے میں نے دیکھا کہ ایک مدرسے میں چھٹی ہورہی ہے اور بچے سکول سے باہر دوڑ رہے ہیں۔ لہٰذا میں نے سوچا کہ ہوسکتا ہے کہ خدا کے متعلق مجھے اس مدرسے کا کوئی استاد بتا سکے اور میں ایک استاد سے ملا اور اس سے خدا کی وحدت کے متعلق پوچھا!

وہ بولا!

خدا کی وحدت تجریدی فن میں ہے!

میں نے کہا!

لیکن تجریدی فن تو اک ابہام ہوتا ہے غیر واضح تصورات و خیالات کا اک مرقع ہوتا ہے یہ ایک ایسی تصویر ہوتی ہے جس میں ہر کسی کو اپنی ہی سوچ کا تعصب نظر آتا ہے جبکہ خدا اک وحدت ہے اور وحدت کبھی منتشر و بے ہنگم نہیں ہوسکتی کبھی خیالات و تصورات کے تضادات کا مرقع نہیں ہوسکتی وحدت کیلئے ضروری ہے کہ کسی چیز کی صفات کسی ایک نقطے پر مرکوز ہوجائیں میری یہ باتیں سن کر وہ بولا!

مجھے یہ بتاؤ کہ آدمی کا مسکن کون سا ہوتا ہے۔

وہ بولا! اس کا گھر

اس نے کہا کیا تم گھر کی تعریف کرسکتے ہو؟

میں بولا! ہاں گھر آدمی کی شخصیت کا مرکز ہوتا ہے۔ آدمی کہیں بھی چلا جائے لیکن آخر کو اسے گھر لوٹنا پڑتا ہے اگر کوئی آدمی کسی سے ملنا چاہے تو وہ اسے بازاروں اور محلوں میں ڈھونڈنے کی بجائے اس کے گھر میں ڈھونڈے گا کیونکہ گھر ہی اس کا مرکز ہے۔

وہ بولا!

تم نے کہا کہ گھر آدمی کی شخصیت کا وہ مرکز ہوتا ہے جہاں ہر قسم کے لوگ کسی بھی وقت اس سے مل سکتے ہیں اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر گھر میں یہ خصوصیات نہ ہوں تو وہ گھر نہیں۔

میں بولا! ہاں

تو وہ بولا! یہ تمام خوبیاں خدا کے متعلق تجریدی فن میں پائی جاتی ہیں کہ تجریدی فن ہی خدائی وحدت کا مرکز ہے۔ کیونکہ ہر قسم کے لوگ اس کے آڑھے ترچھے خطوط میں میں خدا کو تلاش کرلیتے ہیں کہ انسان کی صفت ہے کہ وہ مبہم تصورات اور منتشر خیالات کو خدا کا خاکہ سمجھ کر ہی ذہنی سکون حاصل کرتا ہے اور انسان اپنی اس صفت کو اس تجریدی فن میں غیر شعوری طور پر استعمال کرتا ہے کہ انسان ذہنی سکون چاہتا ہے اور یہ تجریدی فن انسان کے ذہن کو منتشر کردیتا ہے اس لئے انسان ان منتشر لکیروں میں خدا کے خاکے کو تراشتا ہے اور ذہنی سکون حاصل کرتا ہے اس لئے خدا کی وحدت تجریدی فن ہی میں ہے۔

میں اس کی یہ باتیں سن کر بولا! فرض کرو اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ خدا کی وحدت تجریدی فن میں ہے تو ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ تجریدی فن سے کتنے لوگوں کا واسطہ پڑتا ہے اور کتنے اسے سمجھتے ہیں یقیناً" یہ محدود لوگ ہیں جبکہ تجریدی فن کو نہ جاننے والے لامحدود ہیں اور خدا ایک محدود طبقے کی فہم نہیں بلکہ یہ سب کائنات سے پہچانا جاتا ہے۔

وہ بولا!

سچائی کو نہ ماننے سے بھی سچائی متزلزل نہیں ہوتی!

میں بولا! اور ضروری نہیں کہ ایک آدمی کی سوچ پوری کائنات کی سوچ بن جائے۔ اور میں یہ سوچ کو آگے بڑھ گیا کہ خدا تو اس کائنات کا سب سے باترتیب فنکار ہے۔ جو کبھی بھی منتشر خیالات کو منعکس کرتی ہوئی تصویر میں نہیں ہوسکتا۔

===O===

طالب علم

میں قریب سے گزرتے ہوئے ایک طالب علم سے مخاطب ہوا اور میں نے اس سے پوچھا کہ اے لڑکے تو کہ علم کا طالب ہے اور ہر دم علم کے حصول کی جستجو میں گم رہتا ہے! کیا تم جانتے ہو کہ خدا کی وحدت کہاں ہے؟ یعنی کیا تم اس مقام کو جانتے ہو جو خدا کی صفات کا منبع ہے؟

وہ بولا!

خدا ایک روشنی ہے جو کائنات کے ذروں میں سما کر انہیں جلا بخشتا ہے ہر ذرہ درحقیقت ایک روشن سورج ہے اور انسان درحقیقت ذروں میں چھپے ہوئے انہی سورجوں کے منبع تلاش کرتا ہے جس کے حصول کی کامیابی اس کی تخلیقات کو جنم دیتی ہے۔

میں نے اس کی باتوں کو محویت سے سنا مگر اس کی باتوں کے الفاظ تو سنائی دیئے مگر ان الفاظ میں ملفوف میں اس کی منطق کو سمجھ نہ پایا اور میں نے اس طالب علم سے کہا!

اے نوجوان میں تیری باتوں کو سمجھ نہیں پایا کہ تو نے خدا کی تعریف کی ہے یا مجھ پہ اس کی وحدت کا مرکز آشکار کیا میری یہ بات سن کر وہ طالب علم بولا!

شاید تم نے میری باتوں کو فقط الفاظ کے روپ سے دیکھا ہے۔ تشبیہ اور استعاروں کے روپ میں نہیں اس لئے میں کوشش کرتا ہوں کہ ان الفاظ کی ماہیت تم پر اجاگر کرسکوں! جو سورج یا مصنوعی اشیاء کی مرہون ہے۔ بلکہ میرا اشارہ علم و شعور کی روشنی کی طرف تھا اور کائنات کا ہر وہ ذرہ جو ہمیں سوچ و فکر کی ترغیب دیتا ہے یں ہر ذرہ علم و روشنی کا منبع ہے ہر فکر اک روشنی ہے جو انسان کے ذہن کو منور کرتی ہے اور جس طرح ہر چیز سورج کی وجہ سے روشن نظر آتی ہے۔ جبکہ روشنی کا منبع سورج ہی ہے اور جب سوچ کی یہی ترغیب انسان کو اس ذرے کی حقیقت تک پہنچا دیتی ہے تو درحقیقت آدمی اس ذرے کی چمک سے منبع کو پالیتا ہے اور پھر وہیں سے روشنیاں سمیٹتا ہے اور اس طرح انسان تخلیق کار بن جاتا ہے اور وہ نت نئی اشیاء بنانے کا اہل ہوجاتا ہے اور اس طرح ایک ذرے کی حقیقت جاننے تک وہ خود بھی تخلیق کار بن گیا ہوتا ہے اور یہ جان لو کہ خدا بھی اک تخلیق کار ہے اس

لئے انسان بھی تخلیق کار کے درجے تک پہنچنے پر خود کو خدا سمجھنے لگتا ہے جو چاہئے انسان کی بھول سہی مگر پھر بھی خدا سے اک مطابقت ضرور رکھتا ہے لیکن اگر انسان علم کے تعاقب میں اس منصب پر پہنچا ہوگا۔ یہ اور بات ہے کہ خدا اپنے پر جلال وجود کے ذریعے علم کی وسعتوں پر بھی عبور رکھتا ہے۔ جبکہ انسان کا نقطہ نظر محدود ہے اس لئے وہ خدا۔کے پایہ کا تخلیق کار نہیں ہوسکتا لہٰذا مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں کہ خدا کی وحدت علم ہے کائنات کی ہر چیز علم کی ترغیب دیتی ہے اور ہر علم کی پہنچ انسان کو تخلیق کاری کے منصب پر بٹھا دیتی ہے جو خدا کی بنیادی صفت ہے۔

اس نوجوان طالب علم کی یہ باتیں سن کر میں خدا کی وحدت کو علم کے حوالے سے دیکھنے لگا جوں جوں میں غور کررہا تھا توں توں میرے وجود میں خوشی کی لہریں رقص کررہی تھیں اور قریب تھا کہ میں خوشی سے چیخنے لگتا کہ میں نے خدا کی وحدت کو پالیا ہے ایک نقطے پر آکر میری سوچیں منجمد ہوگئیں کہ یہ علم بھی تو ایک غیرمادی چیز ہے جس کا تعلق ذہن کی رسائی سے ہے اور پھر ذہن بھی تو ایک پر اسرار مبہم سی اور غیرواضح چیز ہے اور دوسری بات جو زیادہ اہم ہے کہ آج کے دور میں انسانی علم واحد انسانی ذہن کی حد میں ممکن نہیں رہا اور خدا کی وحدت کل علم میں ہے جبکہ انسان کا علم اس کے شعور کے مطابق چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں بٹا ہوا ہے لہٰذا یہ ممکن نہیں کہ فرد واحد کل علم پر دسترس حاصل کرسکے یہ تو ممکن ہے کہ کائنات کے کل انسان کائنات کے کل علم کو خدا کی وحدت کہہ سکیں لیکن واحد فرد کے لئے خدا کی وحدت جاننے کیلئے ضروری ہے کہ اسکا شعور بھی خدا جیسا ناقابل تقسیم ہو۔

اس لئے علم میں خدا کی وحدت ممکن ہوسکتی ہے مگر کل علم کو یکجا کرنا ممکن نہیں کیونکہ خدا کروڑوں سال پہلے اور اربوں سال بعد کے بارے میں بھی باعلم ہے۔

جبکہ انسان اپنے دور کے بھی کل حالات نہیں جانتا۔ اس لئے خدا کی وحدت کو تو ڈھونڈا جاسکتا ہے مگر کائنات کے کل علم کو ایک ذہن میں مرتب کرنا ممکن نہیں' یہ کہہ کر میں اسکی صحبت سے اٹھا اور ایک طرف چل دیا۔

===O===

نوجوان

ابھی کچھ ہی دور گیا تھا کہ مجھے ایک چھوٹا سا ہوٹل نظر آیا میں کچھ دیر آرام کرنے کی غرض سے اس ہوٹل میں گیا جہاں میں بیٹھا تھا اس کے ساتھ ہی ایک نوجوان لڑکا جدید تراش کے کپڑے پہنے انگلیوں میں سگریٹ پھنسائے بڑے پریشان کن انداز سے بیٹھا تھا میں کچھ دیر خاموشی سے اسے بغور دیکھتا رہا اور پھر اس کی میز پر جاکر بیٹھ گیا اور اسے اپنی طرف متوجہ کرنے کے بعد میں نے اس سے پوچھا!

"اے نوجوان کیا تو خدا کی وحدت کو جانتا ہے؟"

پہلے تو وہ عجیب سی نظروں سے میری طرف کافی دیر دیکھتا رہا پھر اپنی خالی جیبوں کو باہر نکالتے ہوئے بولا! یہاں تو بس خدا ہی خدا ہے۔

پہلے تو میں اس کی خالی جیبوں کو غور سے دیکھتا رہا مگر پھر میں سمجھ گیا کہ یہ مذاق کر رہا ہے لہٰذا میں اس کی طرف پھر متوجہ ہوا اور کہنے لگا مجھے واقعی خدا کی تلاش ہے اور مجھے اس کا ٹھکانہ معلوم کرنا ہے اس کی وحدت کا ٹھکانہ۔

وہ بڑے طنزیہ انداز سے بولا! اچھا تو تمہیں خدا کی تلاش ہے؟ میں نے کہا! ہاں اب وہ بڑے خوش کن انداز سے بولا! اچھا اگر تمہیں واقعی خدا مل جائے تو اسے کہنا کہ کبھی اس طرف کا بھی پھیرا لگالے قسم سے آج کل بڑے مندے ہیں۔

میں نے کہا! کیا تمہیں خدا کے متعلق کچھ بھی پتہ نہیں؟ وہ بولا! بات دراصل یہ ہے کہ میرے تعلقات خدا سے شروع ہی سے خراب رہے ہیں اس لئے نہ خدا کبھی میرے گھر آیا ہے اور نہ کبھی میں اس کے گھر گیا ہوں! یہ سن کر میں وہاں سے اٹھا اور اسکی خدا سے بیزاری پر حیران ہوتا ہوا ایک طرف چل دیا۔

===○===

فقیر، راہگیر

میں اپنی دھن میں چلا جارہا تھا کہ ایک آواز نے مجھے اپنی طرف متوجہ کیا۔ یہ ایک فقیر تھا جو مجھ سے بھیک مانگ رہا تھا کہ مجھے خدا کے واسطے کچھ دو!

یہ سن کر ایک دم میں ٹھہر گیا اور میں نے اس سے پوچھا! کیا تم خدا کو جانتے ہو؟

وہ بولا! میں تو صرف اتنا جانتا ہوں کہ خدا ایک نام ہے جسے سن کر لوگ مجھے بھیک دیتے ہیں۔

میں نے کہا! مگر لوگ تمہیں صرف خدا کے نام پر ہی کیوں بھیک دیتے ہیں؟

وہ بولا! مجھے کیا پتہ یہ ان سے پوچھو جو مجھے صرف خدا کے ہی نام پر بھیک دیتے ہیں۔ لہٰذا میں اس کے قریب ہی کھڑا ہوگیا اتنے میں ایک راہگیر نے فقیر کے کشکول میں پیسے ڈالے میں نے اس راہگیر کو روکا اور اس سے پوچھا!

تم نے خدا کے نام پر ہی کیوں اس فقیر کو بھیک دی ہے؟

وہ بولا! خدا ہمارے ذہن کے کسی گوشے میں ایک غیر مرئی چیز کی طرح چھپا رہتا ہے جسے ہم اکثر بھول جاتے ہیں مگر جونہی ہم اس کا نام سنتے ہیں تو وہ ایک ہیولے کی طرح ہمارے رگ و پے پہ مسلط ہوجاتا ہے جس سے ہم کانپنے لگتے ہیں اور ہم اپنی یہ کپکپاہٹ دور کرنے کے لئے فقط اپنی تسلی کے لئے اس کے نام پر کچھ دیتے ہیں اور اس طرح سے خدا پھر کسی بے ضرر چیز کی طرح غیر مرئی صورت میں ہمارے ذہن کے کسی گوشے میں چھپ جاتا ہے بس ذہن کا وہ گوشہ جہاں سے خدا نکلتا اور چھپتا ہے وہی گوشہ خدا کا مسکن ہے مجھے اس کی یہ باتیں بالکل نہ بھائیں اور میں سوچنے لگا کہ ایک غیر مرئی سی چیز جو کبھی سارے وجود پہ چھا جاتی ہے اور کبھی ذہن میں چھپ جاتی ہے خدا نہ ہوا گویا ایک غبارہ ہوگیا۔

===○===

کسان

شام ہو رہی تھی اور میں ایک کھیت سے گزر رہا تھا دور میں نے دیکھا کہ ایک کسان کھیتوں میں کام کرنے سے فارغ ہونے کے بعد اپنی چیزیں اکٹھی کر رہا تھا شاید وہ گھر جانے کی تیاری میں تھا میں جلدی سے اسکے پاس پہنچا اور اسے روک کر مخاطب ہوا' اے محنت کش تو کہ اپنے پسینے کے دریا سے خشک زمین کو سیراب کرتا ہے کیا تو جانتا ہے کہ خدا کی وحدت کہاں ہے؟

وہ بولا!

یہ خدا ہی ہے جو بھوری زمین کے سینے کو ہریالی سے سجا دیتا ہے ان خالی فضاؤں کو خوشبوؤں سے بھر دیتا ہے اور پھلوں اور سبزیوں کے ڈھیر لگا دیتا ہے۔ ورنہ ہم کمزور لوگوں کی کیا جرات کے زمین کے سینے کو پھاڑ کر اس سے اناج اگلوا سکیں ہم تو فقط رائی برابر بیج اس پہ پھینک دیتے ہیں اور پھر یہ خدا ہی کا اعجاز ہے جو اسے تناور درخت میں بدل دیتا ہے اور وہی درخت پھر طوفان اور آندھیوں کے آگے ہر دم سینہ سپر رہتا ہے یہ دراصل خدا ہی کی کرشمہ سازی ہے۔

میں جلدی سے بولا!

گویا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ خدا کی وحدت زمین کے اندر ہے! میری اس بات پر وہ استغفار کرنے لگا اور بولا!

نہ جی!

خدا تو آسمان پر رہتا ہے۔ زمین پہ تو انسان کی نجاستیں ہی رہ سکتی ہیں خدا جیسی پاک صاف اور مقدس ہستی نہیں۔

میں نے کہا!

تو پھر آخر تمہارے نزدیک خدا کی وحدت کا کونسا ٹھکانا ممکن ہے۔

وہ بولا! مجھے تو بس اتنا پتہ ہے کہ خدا آسمان پر رہتا ہے!

میں نے اس کی باتوں کو سنا اور سوچنے لگا کہ بھلا یہ کیا بات ہوئی کہ ایک ایسا وجود جو

رہتا تو آسمان پر ہے مگر نکلتا زمین سے ہے اور آسمان پہ رہنے والی بات تو اس کی مذہبی راہنما سے جاملتی ہے۔

پھر میں سوچنے لگا کہ خدا کے متعلق اس کا تصور انتہائی سادہ ہے اور خدا کے متعلق اس کی سوچ یہاں کے مخصوص مذہبی راہنماؤں کی مرہون منت ہے کہ وہ بھی خدا کو انسانوں کی بستی سے ماورا آسمانوں کا مکین قرار دیتا ہے اور ایسا تصور تعلیم اور شعور کی عدم موجودگی کے باعث ہے اور یہ سوچ کر میں آگے بڑھ گیا۔

===○===

مزدور

اس گاؤں سے کچھ ہی فاصلے پر مجھے ایک فیکٹری نظر آئی شام دن کے اجالوں کو سمیٹ رہی تھی اور فیکٹری اپنے شکم سے مزدوروں کو اگل رہی تھی میں نے گھر جاتے ہوئے ایک مزدور کو روکا اور اس سے بولا!

اے اپنی محنت بیچنے والے بشر تو کہ اپنے جسم کو ہی پگھلا کر اپنے وجود کو سنبھالا دیتا ہے۔ کیا تو جانتا ہے کہ خدا کی وحدت کہاں پائی جاتی ہے؟

وہ بولا!

خدا محنت کی سختیوں میں جنم لیتا ہے ابھی وہ بات کرنا ہی چاہتا تھا کہ میں فوراً بولا! خدا کسی چیز سے جنم نہیں لیتا بلکہ ہر چیز اس کی تخلیق ہے اور وہ ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے۔

وہ بولا!

یونہی سہی لیکن مجھے اس بات پر کامل یقین ہے کہ خدا لازماً محنت میں رہتا ہے کیونکہ یہ محنت ہی ہے جس کی سختیوں میں گھر کر ہم دو وقت کی روٹی کھا سکتے ہیں اور تمہیں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ رزق دینے پر خدا کے سوا کوئی قادر نہیں۔

میں نے کہا!

لیکن اس دنیا میں بہت سے ایسے بھی تو ہیں جو دن رات محنت کے باوجود ایک وقت کی بھی روٹی نہیں کھا سکتے اور بہت سے ایسے ہیں جو بن محنت کئے دولت کے انباروں میں کھیلتے ہیں۔ محنت اور دولت کے اس زبردست تضاد میں تمہارے نزدیک خدا کی وحدت کیا رہ جاتی ہے!

اس نے کہا کہ پہلی بات تو یہ ہے کہ آدمی کھاتا تو اتنا ہی ہے جتنا اس کا پیٹ مانگے۔ چاہے وہ امیر ہو یا غریب ہاں البتہ ان میں فرق جو ہے وہ یہ کہ غریب اپنے وجود سے زیادہ محنت کرتا مگر اپنے پیٹ سے کم کماتا ہے جبکہ امیر اپنے وجود سے کم محنت کرتا اور اپنے پیٹ سے زیادہ کماتا ہے اور محنت درحقیقت ایک تناسب کا نام ہے جو وجود کے پسینے اور پیٹ کی آگ کے درمیان ہم آہنگی سے پیدا ہوتا ہے اور چونکہ یہ تناسب امیر آدمی کے ہاں نہیں پایا

جاتا۔ اس لئے ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہر وہ آدمی جو اپنی ضروریت سے زیادہ کمائے وہ محنت کرتا ہے بلکہ تناسب کی اس عدم موجودگی کے باعث ہمارا معاشرہ انتشار کا شکار ہے کہ نہ تو امیر آدمی محنت کے اس تناسب کو قائم رکھتا ہے اور نہ وہ یہ چاہتا ہے کہ غریب آدمی محنت کے اس تناسب کو قائم رکھ کہ وہ چاہتا ہے کہ غریب آدمی اپنے وجود سے زیادہ کام کرے اور کم سے کم ضروریات کا مطالبہ کرے اور امیر آدمی ہمارے ساتھ جو سب سے بڑا ظلم کرتا ہے وہ یہ کہ وہ ہم سے ہماری محنت خریدنے کی بجائے ہمیں خریدنے کی کوشش کرتا ہے اور وہ ہمیں کام کرتا ہوا ایک انسان کی بجائے احکامات کا پابند ایک ادنیٰ غلام کے روپ میں دیکھنا چاہتا ہے جو احساسات و ضروریات سے مبراء ہو اور جو!

ابھی وہ بات کو مزید آگے بڑھانا چاہتا تھا کہ میں اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا!

تم شاید موضوع سے ہٹتے جارہے ہو اس لئے مناسب ہوگا کہ تم میری بات کا جواب دو کہ جو میں نے تم سے پوچھا تھا کہ محنت کے اس تضاد میں تمہارے نزدیک خدا کی وحدت یا بنتی ہے؟

وہ بولا!

کسی ایک پہلو کی غیر مشترک باتیں تضاد کی اولین صحت ہوتی ہیں۔ اسی طرح امیر اور غریب بھی ایک پہلو کے دو غیر مشترک پہلو ہیں اور سماجی نظام میں اپنے مخصوص سیٹ اپ کے باعث یہ غیر مشترک پہلو تضاد کی انتہا تک پہنچ جاتے ہیں اس لئے ان میں زبردست تضاد یہ ہے کہ غریب محنت کرتا ہے اور امیر محنت نہیں کرتا اور چونکہ خدا کی وحدت محنت کی سختیوں میں رہتی ہے اس لئے خدا کے آثار ہمیشہ غریب کے گھر پائے جاتے ہیں۔ امیر کے گھر کبھی بھی نہیں اس لئے اس میں خدا کی وحدت میں تضاد پیدا ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا!

اس کی یہ بات سن کر میں کچھ دیر کے لئے اپنے ذہن میں ایک تشنگی سی محسوس کرنے لگا کہ اس نے اپنی بات طبقاتی حوالے سے کی تھی اور اس میں انتہا پسندی کا مظاہرہ کرگیا تھا اور سب سے بڑی بات یہ کہ اس نے اپنی بات گروہی حوالے سے کی تھی جس میں خدا کی وحدت ایک عالمگیر حوالے کی بجائے گروہی حوالے سے بیان ہوئی تھی۔ مگر چند لمحوں کے بعد میں نے محسوس کیا کہ جس نظام کے غیر منصفانہ رویوں میں اس کا جسم محنت کی سختیوں اور آدھے پیٹ کے باعث پس رہا ہے اس میں اس کی سوچ طبقات کی تقسیم سے ماورا نہیں ہوسکتی۔

بھوکا

اب میں ایک ایسی گلی سے گزر رہا تھا جس میں ہر طرف تعفن اور بدبو پھیلی ہوئی تھی مٹی کی جھونپڑی اور بوسیدہ مکان ننگے بچے لاغر بوڑھے ناامید نوجوان اور چھوٹی چھوٹی عمر کی مائیں جابجا گندے جوہڑوں اور ناہموار گڑھوں سے اٹے ہوئے راستے یہ سب اس بستی ؛ ایک منظر تھا اس بستی سے گزرتے ہوئے میرے ذہن کا ماحول بھی انتہا پراُگندہ ہو رہا تھا کہ اتنے میں میں نے ایک چھوٹے سے گندے جوہڑ کے قریب پڑا ہوا ایک آدمی دیکھا جس کے وجود پر انسانیت برہنہ رقص کر رہی تھی بے لباس وجود کسی خشک کنویں کی طرح گہرا پیٹ اور ہر قسم کے خدائی شباب سے محروم بدن۔! مجھے اس پر رحم آیا اور میں اس کے قریب گیا وہ بے ہوش تھا میں اسے ہوش میں لایا وہ بھوک کی شدت سے بے ہوش ہوا تھا میں نے اسے کھانا کھلایا جس باعث زندگی کچھ اور دیر کے لئے اس میں منتقل ہوگئی اب میں اس سے مخاطب ہوا کہ! اے بشر تو کہ زندگی اور موت کی درمیانی کیفیتوں کو جانتا ہے کہ تیری بھوک تجھ پہ یہ رموز آشکار کرتی ہے! کیا تو خدا کی وحدت جانتا ہے؟

وہ بولا!

خدا میرے اردگرد چھپا بیٹھا ہے اور میری زندہ رہنے کی حرص کو اس حالت میں بھی بڑھا رہا ہے ورنہ شاید زندگی اس کو نہیں کہتے مجھے ایسے لگتا ہے کہ جیسے میں خدا کی آغوش میں ہوں اور خدا مجھے تھپکیاں دے دے کر بہلا رہا ہے کہ کسی طرح میں اپنی اس غلیظ حالت کو بھول سکوں۔ بالکل ایک ماں کی طرح جو اپنے مرتے ہوئے بچے کو زندگی کے خواب دکھا رہی ہو۔

میں نے کہا پھر بھی تمہارا کیا امکان ہے کہ خدا تمہارے اردگرد کہاں ہو سکتا ہے؟

وہ بولا! مجھے تو یوں لگتا ہے کہ شاید تم ہی خدا ہو کیونکہ تم ہی نے مجھے یہ سانسیں چند نوالے کھلا کر بخشی ہیں۔

میں بولا! بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک بشر خدا ہو جائے اور وہ بشر جو خود خدا کی تلاش میں ہو۔

وہ بولا! یہ تم سوچتے ہو کہ تم خود کو جانتے ہو مگر میری رائے میری ضرورت کی محتاج ہے کہ میں زندگی کے بنیادی مفہوم سے بھی محروم ہوں اس لئے میں یہ سوچ سکتا ہوں کہ شاید خدا کسی بشر کا روپ دھار کر مجھے زندگی بخشنے آیا ہے کہ زندگی پر خدا کے سوا کسی کا اختیار نہیں اور اگر میں یہ کہوں کہ تو نے مجھے کھانے کو دیا ہے تو مقصد ہوا کہ میں تمہیں خدا سمجھ رہا ہوں جو کہ یقیناً" غلط ہے کہ تم خدا نہیں ہو مگر یہ ممکن ہے کہ تم خدا کا روپ دھار کر آئے ہو کہ خدا کسی بھی رنگ میں خود کو ڈھال سکتا ہے۔

اس کی ان باتوں نے مجھے بہت متاثر کیا کہ یہ باتیں خدا کے وجود پر یقین کامل کا اظہار کررہی تھیں اس کی باتوں میں بہت گہری دلالت تھی شاید میں اسکی باتوں کو مان ہی لیتا کہ اگر میں اپنی حقیقت سے بے خبر ہوتا اگر اپنی ذات کے متعلق نہ جانتا کہ میں ایک بندہ ہوں ایک بشر ہوں البتہ اس کی سوچ کے حوالے سے میں اس کے دلائل کو رد نہ کرسکا اور اپنی حقیقت سے باخبری کے باعث میں آگے بڑھ گیا۔

===○===

امیر

جب میں اس پسماندہ گلی سے نکلا تو مجھے بہت بڑا محل نما گھر نظر آیا میں نے سوچا کہ ممکن ہے کہ ایک امیر آدمی مجھے خدا کے متعلق کچھ بتا سکے کہ وہ دنیا کی آسائشوں کو جانتا ہے لہٰذا اس کی باتیں خالی پیٹ سے نہیں بلکہ ذہن کے دریچوں سے نکلیں گی اور اس طرح میں اس امیر آدمی کے پاس جا پہنچا جو اپنے عام انسانوں جیسے وجود پہ نایاب و قیمتی پوشاک پہنے خود کو عام انسانوں سے اعلیٰ شے سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

میں نے اس سے کہا۔!

اے بشر تو کہ دنیا کی راحتوں کو جانتا ہے کیا تو خدا کی وحدت کو بھی جانتا ہے؟۔

وہ کچھ دیر اپنے ماحول پر نظر ڈالنے کے بعد بولا۔!

خدا کا ٹھکانہ تو وہی ہے جہاں خدا کی رحمتیں اور نوازشیں ہوں! یہ خدا ہی ہے جو انسان کو پیدا کرتا ہے اور پھر انہیں ان کی حیثیت سے دنیا میں مقام دیتا ہے خدا کائنات کا سب سے بڑا منتظم ہے اس لئے وہ دولت کی تقسیم انہی لوگوں میں کرتا ہے جن کے متعلق وہ جانتا ہے کہ وہ اسے ضائع نہیں کریں گے۔ پھر وہ کچھ دیر توقف کے بعد بولا! اس گھر کو دیکھو یہاں دنیا کی ہر آسائش موجود ہے اس گھر پہ خدا کی رحمتیں اور نوازشیں ہیں اور جہاں خدا کی رحمتیں اور نوازشیں ہوں گی۔ خدا بھی وہیں ہوگا **لحاظہ** خدا کا ٹھکانہ بھی یہیں ہے اور یقیناً" ہم صاحب دولت لوگ خدا ہی کی نظر کا انتخاب ہیں۔

میں اس کی یہ باتیں سن کر بولا۔

تم نے تو خدا کو اک عیاش بادشاہ کی مانند قرار دے دیا ہے جو اپنی رعایا کے مسائل سے بے خبر اپنے ہمکلام وزراء کو اپنے خزانوں سے نوازتا ہے جبکہ میرے خیال میں ایسا ہرگز نہیں کہ اگر خدا ہے تو وہ اس صورت میں کبھی نہیں ہوسکتا کہ اس ظالمانہ طرز سے کوئی بادشاہ ابد تک نہیں رہ سکتا کہ اگر ایسا ہوا تو پھر لازم خدا سے بھی بڑی کوئی طاقت ہوگی جو خدا کی برائیوں کو ختم کرنے کی قوت رکھتی ہوگی اور اگر ایسا ہے تو وہ خدا نہیں بلکہ خدا اگر ہوا تو صفات کا سرچشمہ ہی ہوسکتا جہاں برائیاں مٹ جاتیں ہیں اور سچائی اپنی عظمت کو پہنچ جاتی

ہے!

چند لمحے کی خاموشی کے بعد میں اس سے پھر بولا تو جو انسانوں کے خون کو دولت کی صورت میں جمع کرتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ ہم پہ خدا کی رحمت ہے اور ہم خدا کے خاص بندے ہیں اسلیئے خدا ہمارے گھروں میں رہتا ہے کیا تم نے اپنے گھروں میں کبھی خدا کے تقدس کی پرواہ کی نہیں یہ ممکن نہیں کیونکہ تمھارے نزدیک خدا کا نظریہ ہی دولت ہے اس لئے تم فقط دولت کے پجاری ہو اور اسی کی گرویدگی کو اپنا مذہب اس کے حصول کو عبادت اور اسکے استعمال کو اپنی نجات جانتے ہو۔ اس لئے تم کبھی بھی خدا کو نہیں جان سکتے۔ اس سے پہلے کے میں اس کی صحبت سے نکل جاتا وہ بولا۔!

ہاں دولت ہی خدا ہے کہ اس سے ہر چیز خریدی جاسکتی ہے۔ دولت انسان کی تقدیر بدل دیتی ہے دولت دنیا کے نظام بدل سکتی ہے۔ مزید اسکے کہ وہ دولت کی خدائی کے حوالے سے کچھ اور کہتا میں بول پڑا کہ اور اسکی غیر منصفانہ تقسیم ہی طبقات اور بھوک کو پیدا کرتی ہے اور انسانی معاشرے کی یہ ایسی بیماریاں ہیں جس نے انسانیت کو لاپاہج کر دیا ہے اور جس باعث خدا انسانی خواہشات میں گھرا۔ اپنی حقیقت کو قائم رکھنے کے باوجود اس کے معنی کھوتا جارہا ہے۔ اور اسطرح میں اسکی صحبت سے رخصت ہوگیا۔

===○===

شرابی

میرا ذہن سخت منتشر تھا اور میں اپنے ذہن کو پر سکون کرنا چاہتا تھا کہ منتشر ذہن کے ساتھ شاید میں صحیح فیصلے کی قوت سے محروم ہو جاؤں لہٰذا میں نے سوچا کہ ذہن کو کچھ دیر آرام دینے کیلئے کسی جگہ بیٹھنا چاہیے ابھی میں سوچ ہی رہا تھا کہ مجھے کہاں آرام کرنا چاہیے کہ مجھے ایک مہ خانہ نظر آیا اور میں اس کے اندر چلا گیا وہاں میں ایک کونے میں بیٹھ گیا اور خاموشی سے گرد کے ماحول کا جائزہ لینے لگا میرا ذہن جو منتشر تھا اس نئے ماحول کا مشاہدہ کرنے لگا۔ اس لئے میں اس میں خاصی دلچسپی لینے لگا اور اس دلچسپی کے باعث ایکدم میرے ذہن میں یہ سوال ابھرا کہ کیوں نہ کسی شرابی سے خدا کی وحدت سے متعلق پوچھا جائے اور اس طرح میں نے ایک شرابی سے خدا کی وحدت سے متعلق پوچھا!

وہ بولا - !

خدا اک نشہ ہے جس کا خمار انسان کی زندگی سے کبھی نہیں اترتا خدا اک مدھوشی کا عالم ہے جس میں ہر انسان شعوری اور لاشعوری طور پر غرق ہے البتہ جو شعوری طور پر خدا سے منسلک ہیں انہیں دنیا پیرو بزرگ وانبیاء و صوفیاء مان لیتی ہے اور جو لاشعوری طور پر خدا سے وابستہ ہیں انہیں مجرم و ملزم یا قاتل و باطل کہہ دیا جاتا ہے۔

میں نے کہا لیکن دنیا میں ہزاروں عقائد ہیں۔ اس سے پہلے کہ میں اپنی بات مکمل کرتا وہ جلدی سے بول پڑا کہ :

بالکل اسی طرح جس طرح شراب کے کئی نام اور کئی رنگ ہیں مگر سب کی لذت اور خمار ایک سا ہے اور سب کا مقصد آدمی کو بے خود کو دینا ہے۔ دنیا کا کوئی مذہب یا عقیدہ کسی خدا کے وجود کے بنا ممکن نہیں لہٰذا شراب کے رنگوں اور ناموں کی طرح خدا کے نام تو مختلف ہوسکتے ہیں مگر ان کی تاثیر نہیں بدل سکتی خدا کی وحدت درحقیقت خمار اور نشے ہی میں ہے جو انسان کو کچھ دیر کے لئے رنج والم کی دنیا سے دور اپنے گھر لے جاتا ہے جہاں وہ ہمیں بہلاتا ہے اور اسطرح ہم کچھ دیر کے لئے دنیا کے غموں سے دور ہو جاتے ہیں جہاں کوئی غم، دکھ اور ہنگامہ نہیں بس سکھ چین اور سکون ہے۔

اب میں بولا کیا تم یہ ثابت کرنا چاہتے ہو کہ خدا شراب ہے یا یہ کہ خدا کی وحدت شراب میں ہے۔

وہ بولا -! نہیں خدا شراب یا شراب میں نہیں بلکہ شراب کا سانشہ ہے -!

میں نے کہا - لیکن ایسے بھی تو ہیں جو شراب پی کر بہک جاتے ہیں اور خدا ہی کے خلاف بکنے لگتے ہیں۔

وہ بولا ! وہ کم ظرف ہوتے ہیں کہ شراب پی کر بھی خدا کو نہیں پہچانتے کہ درحقیقت جب آدمی شراب پی لیتا ہے تو اس کے نزدیک غم دکھ **تشنگیاں** سب بے معنی سی ہو جاتی ہیں۔ اس کے نزدیک ان کی کوئی حقیقت نہیں رہتی یا یوں کہ سب تلخیاں اس کے ذہن سے محو ہو جاتی ہیں اور اس طرح وہ غم اور خوشی سے بے نیاز ہو کر اپنے آپ میں ڈوب کر خوش رہتا ہے۔ اور یاد رکھو کے جب آدمی غم اور خوشی سے بے نیاز ہو جائے تو یہ سب سے عظیم خوشی ہوتی ہے جب آدمی خوشی کو بھی بنا جانے اپنا رہا ہو اور جب آدمی غم اور خوشی کے چنگل سے آزاد ہو جاتا ہے تو تب وہ خدا کی ذات کو پہچان لیتا ہے کہ جب آدمی غم اور خوشی کے چنگل میں رہتا ہے تو وہ خدا کی ماہیت کو کسی حوالے سے پہچانتا ہے اور جب اس چنگل سے نکل جاتا ہے تو وہ براہ راست خدا کو پہچان لیتا ہے اور تم نے دیکھا ہو گا کہ اکثر لوگ شراب پی کر بڑی بڑی انوکھی مگر حقیقی باتیں کہہ جاتے ہیں جس کی وجہ خدا سے براہ راست معرفت ہوتی ہے۔

میں اس کی باتیں بہت توجہ سے سن رہا تھا لہٰذا میں فوراً بول اٹھا کہ خدا سے معرفت حاصل کرنا اور خدا کی وحدت جاننا دو علیحدہ چیزیں ہیں اور تم مجھے خدا سے معرفت کا ذریعہ بتا رہے ہو وہ فوراً بول اٹھا کہ --- خدا سے معرفت کے بعد ہی خدا کی وحدت کو جانا جا سکتا ہے۔ میں نے کہا - ! اور تو جو دعویٰ کر رہا ہے کہ شراب پی کر آدمی خدا سے معرفت حاصل کر لیتا ہے اور اس معرفت کے حاصل کر لینے کے بعد کیا تو بتا سکتا ہے کہ خدا کی وحدت کہاں ہے؟

وہ بولا - : نشے میں - مخموری میں اور بے خودی میں۔

میں بولا - : مجھے لگتا ہے کہ تم حواس میں نہیں ہو کہ خود ہی تم نشے کو کبھی خدا سے معرفت کا ذریعہ گردانتے ہو اور کبھی وحدت کہتے ہو اور تمہارا یہی عمل بتا سکتا ہے کہ تم نشے میں بہکے ہوئے ہو اور دوسرا یہ کہ تمہاری باتوں میں کہیں بھی یقین اور تیقن کا اثر نہیں کہ تم خود ہی کہتے ہو کہ وہ لوگ جو شراب کی وجہ سے بہک جاتے ہیں کم ظرف ہوتے ہیں

گویا شراب کا نشہ لوگوں کے ظرف پر مبنی ہے یعنی شراب سب کے لئے یکساں تاثیر نہیں اور پھر تم نے یہ بھی کہا کہ شراب پی کر آدمی غم اور خوشی سے بے نیاز ہو جاتا ہے اور تب وہ خدا سے معرفت حاصل کر لیتا ہے اگر ہم اسے صحیح مان بھی لیں تو ثابت ہوا کہ اس معرفت کے لئے آدمی کا ہر وقت نشے میں ہونا لازم ہے جو کہ ناممکن ہے کہ آدمی ہر وقت نشے میں رہ سکے کہ وہ ایک جز وقتی نہیں بلکہ کل وقتی عنصر ہے جو انسان کے شعور اور لاشعور میں ہر وقت موجود رہتا ہے؟ تیری باتوں میں درحقیقت شروع سے تضاد غیر یقینی اور تسلسل میں فقدان رہا ہے اس لئے میرے لئے تیری ان تمام باتوں کی حقیقت کچھ نہیں چاہتی

اور میں یہ کہہ کر اس کی طرف منتظر نظروں سے دیکھتا رہا کہ وہ مجھے میری باتوں کا جواب دے۔ مگر کافی دیر خاموشی کے بعد وہ بولا کہ آؤ اور تم بھی شراب پیو پھر تمہیں خود ہی پتہ لگ جائے گا کہ خدا کیا ہے اور اس کی وحدت کہاں ہے۔

میں اس کی یہ باتیں سن کو سوچنے لگا جو آدمی خود شراب پی کر خدا کو نہیں پہچان سکا وہ بھلا دوسرے کو کیسے کہہ سکتا ہے کہ تم شراب پیو اور تمہیں خدا مل جائے گا۔ اور یہی سوچ کر میں وہاں سے اٹھ کر باہر کو چل دیا۔

پاگل

میں ایک گلی سے گزر رہا تھا کہ میں نے دیکھا کہ بہت سے بچے ایک آدمی کے پیچھے پتھر مارتے ہوئے بھاگ رہے ہیں میں سمجھ گیا کہ یہ آدمی دیوانہ اور پاگل ہے یا یوں کہ لوگ اسے دیوانہ سمجھتے ہیں اور دوسرے میرے اس امکان کو اس کی حالت ظاہرہ دیکھ کر تقویت مل رہی تھی میں اس دیوانے کے پاس گیا اور اسے پتھر برساتے ہوئے بچوں کے چنگل سے نجات دلائی اس کی سانس پھولی ہوئی تھی اور وہ بڑی سہمی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا میں نے اسے کچھ دیر ستانے کا موقع دیا اور جب اس کی سانسیں اعتدال پر آئیں اور اس کی آنکھوں میں وحشت ختم ہوئی تو میں اس سے گویا ہوا کہ - !

اے بندہ بشر تو جو تمام دن لوگوں کی آسودگی کی خاطر اپنے جسم پر پتھر سہتا رہتا ہے کیا تو یہ بھی جانتا ہے کہ خدا کی وحدت کہاں ہے؟

وہ میرا سوال سننے کے چند لمحوں بعد بولا کہ :- خدا کا مقام اس کیفیت میں ہے جب انسان اپنے جسم پر ابھرنے والی درد کی ٹیسوں کی اذیت سے بے نیاز ہو کر اپنے ذہن کے سکون میں غرق رہتا ہے دنیا اسے پتھر مارے گالیاں دے یا کسی اور اذیت سے دوچار کرے مگر وہ سکون کی وادیوں میں گم فقط اپنی شخصیت کی وحدت سے عشق کرے اور یاد رکھو کہ انسان کی شخصیت کی وحدت اسکے ٹوٹنے یا کرب میں مبتلا ہونے سے ختم نہیں ہوتی بلکہ جب انسان کا ذہن انتشار کا شکار ہو اور وہ قوت فیصلہ سے محروم ہو جائے تو انسان کی شخصیت کی وحدت بھی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتی ہے۔

میں نے کہا : تو گویا یہ ثابت کرنا چاہتے ہو کہ خدا کی وحدت انسان کی شخصیت کی وحدت میں ہے اور یوں تم اپنی شخصیت کی وحدت کو پاچکے ہو کہ لوگ تمہیں بھی پتھر مارتے ہیں مگر تم نہیں ٹوٹتے اور اس لحاظ سے گویا خدا تم میں موجود ہے!

وہ میری باتیں سن کر بولا :-

تم کم عقل ہو کیا تم کو مجھ میں شخصیت کی وحدت کی کوئی ایسی بات جو میں نے تم سے کہی مجھ میں نظر آتی ہے۔ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ بچے جب پتھر مار رہے تھے تو میں بھاگ

رہا تھا کیونکہ ابھی میرے اعضاء درد و کرب کی اذیت سے شناسا ہیں یہ ابھی اس درد سے نجات چاہتے ہیں ابھی میری ذات سکون کی وادیوں میں جانے سے خوفزدہ ہے اور سب سے بڑی بات یہ کہ میرا ذہن ابھی انتشار کا شکار ہے اس لئے میں ابھی اپنی شخصیت کی وحدت کو نہیں پاسکا اور پھر وہ کچھ وقفے سے بولا :-

ہاں البتہ یہ ضرور ہے کہ میں اپنی شخصیت کے تعاقب میں نکل چکا ہوں سب سے پہلے میں نے اپنے ذہنی انتشار کو ختم کرنے کے لئے لغو اور فضول باتوں کو ذہن سے نکالنا شروع کیا تو لوگوں نے میری انہی باتوں کو میرے پاگل پن کی علامت جانا اور پتھر مارنے شروع کر دیئے کہ یہ بھی درحقیقت میری مصلحت تھی تاکہ مجھے اتنے پتھر پڑیں کہ آخر میری رگوں میں درد بہنا بند ہو جائے بالکل اسی طرح جس طرح کسی نہر میں اتنے پھینک دیئے جائیں کے اس کے بہاؤ کا تسلسل ختم ہو جائے اور مجھے امید ہے کہ ایک دن میں اپنی شخصیت کی وحدت کو پا جاؤں گا۔ تب میں شاید خدائی قوت کی وحدت اور اس کے مظہر کا سب سے بڑا مقام اور منبع بن جاؤں یہ کہہ کر وہ خاموش ہوگیا اور دور خلاؤں میں گھورنے لگا۔

میں نے اس کی باتیں غور سے سنیں تھیں اس لئے میں نے ان پر غور کرنے کے بعد اس سے کہا کہ بڑے بڑے انبیاء صوفیا اور پیغمبروں نے خدا سے معرفت حاصل کی اور اس کے لئے ہر طرح کے مصائب برداشت کیے پاگلوں کی طرح لوگوں کے پتھر کھائے ہر قسم کی باتیں سنیں اور ان تمام اذیتوں کے جھیلنے کے باوجود وہ خدا کی قوت کا مظہر نہ بن سکے باوجود اس کے کہ ان میں سے کئی لوگوں نے خدا سے معرفت حاصل کی مگر خدائی وحدت کا دعوی نہ کر سکے پھر تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو کہ میں اس اذیب ناک عمل سے گزرنے کے بعد خدائی مظہرات کا منبع و سرچشمہ بن جاؤں گا۔

میری یہ بات سن کر وہ بولا کہ : وہ انبیاء صوفیا اور پیغمبر تھے کہ وہ دنیا میں بھیجے ہی پیغمبر انبیاء صوفیا بنا کر گئے تھے۔ اس لئے انہوں نے تمام تر اذیتیں خدائی فیصلے کے تحت برداشت کیں کہ انکا دنیا میں آنے کا مقصد ہی یہی تھا۔ اس لئے ان کا اذیتیں جھیلنا ان کا منصب تھا جبکہ میں ایک عام سا آدمی ہوں اور خود کو دنیا کی نجاستوں سے ایک عمل کے ذریعے پاک کر رہا ہوں اس لئے میرا اذیتیں برداشت کرنا خود اختیاری ہے اسلیئے جو راستہ خود اپنایا جائے زیادہ اہمیت رکھتا ہے **نسبتاً** اس کے کہ جس راہ پہ چلنا مجبوری ہو!

میں **فوراً** بولا کہ !گویا تم اپنی اہمیت ثابت کر رہے ہو۔

وہ بولا : میرا **خالصتاً** مقصد اپنی اہمیت ثابت کرنا نہیں بلکہ حقائق کو واضح کرنا ہے جس

میں کسی کی بھی اہمیت واضح ہو سکتی ہے!

اس کی یہ بات سن کر میں سخت مایوس ہوا کہ اس آدمی کو خدا کی وحدت کا مرکز بننے سے زیادہ پیغمبر و انبیا سے بلند مقام حاصل کرنے کی فکر ہے کہ ممکن ہے کہ یہ منصبی و خود اختیاری پہ صحیح کہتا ہو مگر اس کا نتیجہ قطعی طور پر بھی خدا کی وحدت کی صورت میں نہیں مل سکتا اور اگر ایسا کرنے سے واقعی انسان خدائی وحدت کا مرکز بن جائے تو دنیا کا کوئی بھی آدمی یہ عمل اپنا کر خدائی وحدت کا مرکز بن سکتا ہے جو کہ قطعی نا قابل قبول بات ہے کہ پھر یہ جاننا مشکل ہو جائے گا کہ کون بشر خدا کی قوت کی وحدت ہے۔!

===○===

اندھا

یہ سوچ کر میں اس باغ سے نکلا اور ایک طرف چل دیا راستے میں مجھے ایک اندھا دکھائی دیا جو ایک سفید لاٹھی کے سہارے کسی طرف کو جارہا تھا میں نے اسے دیکھ کر سوچا کہ یہ اندھا جو دیکھنے سے قاصر ہے ممکن ہے یہ خدا کی حقیقت مشاہدہ خارج کی بجائے باطن کی روشنیوں کے باعث جانتا ہو! اور اس طرح میں اس کے پاس گیا اور اس سے گویا ہوا کہ! اے بصارت سے محروم شخص کیا تو خدا کی وحدت کو جانتا ہے؟

وہ میرا یہ سوال سن کر بولا کہ پہلے مجھے کہیں جگہ آرام سے بٹھا دو پھر میں تمہیں خدا کی وحدت کے متعلق بھی صحیح بتا سکوں گا!

لہٰذا میں اسے سڑک کے ایک طرف بنے ہوئے باغ کی طرف لے گیا جہاں ہم دونوں آرام سے بیٹھ گئے۔

اب وہ گویا ہوا کہ !گو کہ میں دیکھنے کی قوت سے محروم ہوں اس لئے میرے لئے کائنات کا ایک خاص روپ اور اس کے رنگ سب سے بڑا جھوٹ ہیں اس لئے میرے نزدیک خدا کی وحدت کائنات کی اشیاء اور رنگوں میں الجھنے کی بجائے شعور اور حس لمس پر آکر ٹھہر گئی ہے۔ اس لئے مجھے یقین ہے کہ خدا شعور کی آگہی میں ہے کہ انسان میں اتنی قوت کہاں کہ وہ بنا دیکھے زمین کے نشیب و فراز اور انسان کے مزاج کے زیر و بم پہچان سکے۔

میں بولا!

مگر تو نے کہا ہے کہ میری سوچ حس لمس اور شعور پر آکر ٹھہری ہے مگر اس میں تو نے حس لمس کا ذکر ہی نہیں کیا۔

یہ بات سن کر اس نے کہا کہ!

حس لمس اور شعور کا تعلق ایسا ہی ہے جیسے کہ کوئی نامہ بر کوئی پیغام کسی صاحب علم کو لاکر دے تو ہی اس پیغام کو جانا جاسکتا ہے جبکہ اگر یہی پیغام ایک نہ پڑھے لکھے آدمی کو دیا جائے تو اس کے لئے یہ پیغام آنا اور نہ آنا ایک برابر ہے درحقیقت پیغام جاننے والا ہی اہمیت

کا حامل ہے ورنہ پیغام کی کوئی حقیقت نہیں اور حس لمس بھی ایک پیغام ہے جبکہ اسے جاننے والا تو شعور ہی ہے یہی ہے جو پیغامات کو جانتا ہے اور پھر ان کی ہیئت کے مطابق ہمارے عضلات کو حکم جاری کرتا ہے اور اس طرح ہم متحرک ہوتے ہیں جس باعث ہم دنیا کے رازوں اور انسان کے مزاجوں سے آشنا ہوتے ہیں۔

میں بولا! تم آج تک بصارت کی قوت سے محروم رہے اس لئے تم نے شعور اور حس ہی کے تعلق میں خدا کا مسکن ڈھونڈ لیا جبکہ شاید تمہیں علم نہیں کہ اہل بصارت لوگوں میں بھی یہی حس اور شعور کی قوتیں ہی دنیا کے اسرار و رموز منکشف کرتی ہیں تم میں اور ان میں فرق ہے تو صرف اتنا کہ تمہارے نزدیک ہر مادی چیز کا ایک الگ تصور ہے جبکہ بینا لوگ ہر چیز کے خیالی تصور کی بجائے اس کی حقیقت سے واقف ہیں!

اندھا بولا کہ!

تم نے جس بینائی کی قوت پر یہ نتیجہ اخذ کیا ہے میرے لئے اس کی کچھ اہمیت نہیں کیونکہ میرے لئے کائنات ایک لامحدود جسامت نہیں بلکہ سوچ کے تاریک گوشوں میں سمٹی ہوئی ہے اس لئے میرے نزدیک خدا کا مسکن میرے وجود کی سب سے موثر قوتوں میں ہوگا اور میرے لئے سب سے موثر قوتیں حس لمس اور شعور کے سوا کچھ بھی نہیں۔!

تمہاری باتیں ایک ہی صورت میں قابل قبول ہوسکتیں تھیں کہ اگر دنیا کے تمام افراد اندھے ہوتے مگر افسوس کہ خدا کی وحدت کا یہ نظریہ درست نہیں گو کہ حس لمس اور شعور کی قوتیں اہل بصیرت لوگوں میں بھی پائی جاتی ہیں۔ مگر وہ اپنی ان قوتوں کے استعمال سے اور بہت سی قوتوں سے واقف ہوجاتے ہیں کیونکہ ان میں قوت دیکھنے کی بھی ہے اس لئے وہ خدا کی وحدت کو مختلف قوتوں میں تقسیم کردیتے ہیں اور اس طرح خدا کی وحدت ابہام کا شکار ہوجاتی ہے اور مجھے خدا کی حقیقی وحدت کی تلاش ہے۔

===O===

کھلاڑی

میرا گزر اب ایک کھیل کے میدان سے ہو رہا تھا چند لوگ میدان میں کھیل رہے تھے اور ہزاروں لوگ ان کے ارد گرد انہیں سراہ رہے تھے یا ان پر آوازیں کس رہے تھے سب لوگ ایک ہی منظر کو آنکھوں میں سمیٹے ذہنوں کے رخ اس طرف موڑے تھے میں اس منظر سے بہت لطف اندوز ہوا اور بہت دیر تک میں بھی اسی منظر میں گم رہا اتنے میں دیکھا کہ سب کھلاڑی میدان سے واپس آ رہے ہیں تو ایک دم مجھے خیال آیا کہ کیوں نہ ان میں سے کسی سے خدا کے بارے میں پوچھا جائے اور یہی سوچ کر میں نے ایک کھلاڑی کو پاس بلالیا اور میں اس سے گویا ہوا کہ' اے نوجوان تو جب میدان میں ہوتا ہے تو اس دم ہزاروں ارد گرد پھیلی ہوئی نگاہیں تیرے وجود پر ٹھہرتی ہیں اور تیرے عمل پر ہزاروں لوگ تجھے سراہتے یا برا بھلا کہتے ہیں اور کیا ایسے میں تیرے ذہن کی تغیر پذیر کیفیتوں میں کبھی خدا کی وحدت بھی آشکار ہوئی ہے۔

اس نے میرا سوال سنا اور جواب دینے کی بجائے مجھے اپنے ساتھ ایک کمرے میں لے گیا اور کہنے لگا کہ یہاں آرام سے بیٹھو اور پھر خود بھی آرام دہ حالت میں ہو کر بولا کہ! خدا دراصل ایک جذبہ ہے ایک سپرٹ ہے ایک ایسا مجنونانہ جذبہ جو آدمی کو ہر چیز برداشت کرنے کا حوصلہ بخشتا ہے جیت' ہار' سکھ' دکھ لوگوں کے طعنے اور لوگوں کا سراہنا یہ سب چیزیں آدمی ایک سپرٹ کے تحت برداشت کرتا ہے۔

ابھی وہ کچھ کہنا چاہتا تھا کہ میں جلدی سے بول پڑا کہ یہ تو سب ٹھیک ہے لیکن اس میں خدا کی وحدت کا عنصر کہاں پایا جاتا ہے؟

وہ بولا! تم کائنات کی تخلیق کا سبب کیا مانتے ہو۔؟

میں بولا! میں کائنات کی تخلیق کا سبب کچھ بھی جانوں مگر اس سے تمہاری بات میں فرق نہیں پڑنا چاہئے اس لئے میں اس کی ضرورت نہیں سمجھتا البتہ تم جو کائنات کی تخلیق کا سبب جانتے ہو وہ بیان کرو!

وہ بولا! کائنات کی تخلیق کا سبب خدا کا وہ اولین ارادہ تھا جب اس نے کائنات بنانے کا

سوچا اور کائنات بن گئی اور یاد رکھو کہ خدا ایک مطلق قوت ہے وہ جس چیز کا ارادہ کرتا ہے وہ ظہور میں آجاتی ہے اور ارادہ کیا ہے ایک لمحاتی کیفیت جس میں کئی محرکات کارفرما ہوتے ہیں اوہ خدا انسان کی طرح نہیں کہ جس کی کیفیت تغیرپذیر رہے بلکہ تخلیق خدائی ارادے کو ظاہر کرتی ہے کہ خدا ایک مطلق قوت ہے اور اسے ارادہ کرلینے کے بعد اس کے کرنے کے لئے کچھ نہیں کرنا پڑتا بلکہ وہ اسی دم ہوجاتا ہے اور ارادہ ایک جذباتی کیفیت کے سوا کچھ بھی نہیں کوئی بھی جذبہ کسی بھی ارادے کا محرک ہے اور کوئی بھی ارادہ خدا کے روپ میں تخلیق ہے اور انسان کے روپ میں یہ عمل کا آغاز اس لئے کائنات کا واحد محرک جذبہ ہے وہ اک خاص لمحہ جب خدا نے کائنات بنانے کا سوچا اور کائنات بن گئی اور کائنات میں انسان سمیت نظر آنے والی ہر چیز کائنات کی تشکیل کے عناصر میں اس لئے مجھے یقین ہے کہ خدا کی وحدت جذبہ میں ہے۔

میں نے اس کی باتیں غور سے سنی تھیں اس لئے میں اس سے کہنے لگا کہ تم نے شروع میں کہا کہ خدا ایک جذبہ ہے جو آدمی کی زندگی کے ہر پہلو میں نکھار پیدا کردیتا ہے کہ اس میں ہار جیت، سکھ دکھ لوگوں کے طعنے اور لوگوں کی تعریف سہنے کا سلیقہ پیدا ہوجاتا ہے لیکن بعد میں تم نے کہا کہ کائنات کی تخلیق کا سبب ہی ارادہ ہے مگر مجھے ان دونوں باتوں میں خدا کی وحدت کے حوالے سے وحدت نظر نہیں آئی---! اس لئے پہلے تو مجھ پر ان کی مطابقت واضح کر!

وہ بولا!

کائنات اور انسان خدائی اظہار کے یہ دو محرکات ہیں اس لئے میں نے انسانی زندگی میں جذبے کی اہمیت اس کی زندگی کے مختلف حوادث کے حوالے سے واضح کرکے اسے کائنات کی تخلیق سے ضم کردیا ہے کہ کائنات کی تخلیق بھی ایک جذبہ ہے اور انسان کی زندگی کا انحصار بھی جذبے پر ہے اس لئے خدا کی وحدت بھی دراصل اک جذبہ ہے۔

میں نے اس کی یہ باتیں سن کر کہا کہ! فرض کرو کہ تمہاری سب باتیں ٹھیک ہیں مگر وہ جذبہ جو کائنات کی تخلیق کا سبب بنا ظاہر ہے کہ وہ جذبہ بھی اتنا ہی عظیم ہوگا جتنی کہ یہ کائنات عظیم ہے بلکہ اس سے بھی عظیم اور اس کا مقصد یہ ہوا کہ وہ جذبہ کائنات میں نظر آنے والی ہر چیز میں تقسیم ہوگیا ہے۔ چونکہ تم نے خود کہا ہے کہ خدا جب کسی چیز کا ارادہ کرلیتا ہے تو اسی دم وہ تخلیق ہوجاتی ہے اس لئے یہ لازم ہے کہ جب خدا نے کائنات کو تخلیق کرنے کا ارادہ کیا ہوگا تو خدا کے نزدیک کائنات کا بالکل وہی نقشہ ہوگا جو کائنات کے

تخلیق ہونے کے بعد بنا ہوگا اور اگر ہم یہ کہیں کہ خدا نے کائنات کو وقتاً" فوقتاً" ارادوں کی صورت میں تخلیق کیا ہوگا تو اس کا مقصد یہ ہوا کہ خدا کا جذبہ تغیر پذیر ہے جو خدا جیسی عظیم ہستی کے شایان نہیں کہ وہ سوچ کے تغیرات سے متاثر ہو کہ وہ تو سوچ کا بھی خالق ہے اس لئے جب وہ کسی چیز کو تخلیق کرتا ہے تو اس کے نزدیک اس کا وہی نقشہ ہوتا ہے جو ہمیں تکمیل کی صورت میں نظر آتا ہے اس لئے یہ ممکن نہیں کہ خدا بھی تغیر پذیر جذبوں کا حامل ہو اور یاد رکھو کہ تغیر کبھی بھی وحدت نہیں ہوسکتی البتہ یہ ممکن ہے کہ تغیر کی کوئی اور وحدت ہو! اب میری اس ساری بات کا مقصد یہ ہوا کہ اگر تو یہ کائنات اور اس کی ہر چیز خدا کے ایک ارادے یا جذبے کی تخلیق ہے تو پھر یہ لازم ہے کہ وہ جذبہ کائنات کی ہر چیز میں تقسیم ہوچکا ہے! جب کہ میرے نزدیک کائنات کی مختلف مراحل میں تشکیل ممکن نہیں کہ جب خدا کوئی چیز تخلیق کرتا ہے تو اس کے نزدیک اس کا وہی نقشہ ہوتا ہے جو ہمیں تکمیل کی صورت میں نظر آتا ہے اس لئے یہ ممکن نہیں کہ خدا بھی تغیر پذیر جذبوں کا حامل ہو کہ جب خدا کوئی چیز تخلیق کرتا ہے تو وہ اس کی انتہا جانتا ہے اور اس کی نظر صرف ابتداء پر ہی نہیں ہوتی!

اور اس کے بعد میں خاموش ہوگیا وہ میری باتوں کو انتہائی محویت سے سن رہا تھا اس لئے وہ میرے خاموش ہونے پر بھی وہ چند لمحے اسی انداز سے بیٹھا رہا جیسے وہ میری باتیں سن رہا ہے اور پھر جب اس نے جان لیا کہ میں خاموش ہوگیا ہوں تو وہ چند لمحے میرے چہرے پر گھورتا رہا اور پھر بولا! جس پہلو سے تم نے باتیں کیں ہیں اس پہلو پہ میں نے کبھی نہیں سوچا تھا اور اب جبکہ تم نے یہ باتیں کی ہیں میں اب تک ان کے مقابل نہیں سوچ سکا شاید تمہاری باتیں ہی اتنی سچی ہیں کہ میں انہیں رد نہیں کرسکتا اور اتنا کہہ کر وہ پھر کسی گہری سوچ میں الجھا ہوا نظر آیا شاید وہ میری باتوں میں متضاد پہلو ڈھونڈنے کی کوشش کررہا تھا!

میں کافی دیر اس کی صحبت میں بیٹھا رہا کہ شاید یہ مجھ پہ اپنی بات کو دوبارہ واضح کرنے کی کوشش کرے لیکن وہ ایسا نہ کرسکا اور میں وہاں سے اٹھ کھڑا ہوا اور بوجھل بوجھل قدموں سے کسی خاص سمت کا تعین کئے بغیر بڑھنے لگا۔

قاتل

مجھے اب سمجھ نہ آرہی تھی کہ میں اب خدا کی وحدت کی تلاش میں کہاں جاؤں اور میں یونہی بے مقصد چل رہا تھا کہ ایک جگہ مجھے لوگوں کا ہجوم نظر آیا۔ میں کچھ اور قریب گیا تو مجھے عجیب سا شور سنائی دیا کہ! قتل ہوگیا! قتل ہوگیا۔ یہ سنتے ہی جیسے میرا جسم سکڑ سا گیا میں کانپ گیا اور میں سوچنے لگا کہ لوگ آخر قتل کیوں کرتے ہیں وہ کیسے قتل کرتے ہیں اور میں اسی قسم کی باتیں سوچ رہا تھا کہ ایک دم میرے ذہن میں یہ سوال کوندا کہ کیوں نہ کسی قاتل سے خدا کی وحدت کا پوچھا جائے! اور میں نے قاتل کو ڈھونڈنا شروع کیا مگر وہ تو کہیں بھاگ گیا تھا اس لئے میں نے سوچا کہ کیوں نہ کسی اور قاتل سے ملا جائے اور مجھے پتہ لگا کہ قاتل کو عدالت کے کسی احاطے میں ملا جاسکتا ہے لہٰذا میں ایک عدالت کے احاطے میں پہنچا جہاں میں نے دیکھا کہ ایک شخص کو بیڑیوں میں جکڑا ہوا ہے اور اس کے گرد چند لوگ اس کی حفاظت پر معمور تھے' پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہ شخص قاتل ہے اور مجھے اسی کی تلاش تھی!

میں اس قاتل کے پاس گیا اور میں اس سے یوں مخاطب ہوا کہ اے بندے تو کہ انسان کے روپ میں انتہائی غیر انسانی حرکت کا مرتکب ہوا ہے اور تیرے اسی فعل سے لوگ تجھ سے خوفزدہ رہتے ہیں کیا تونے کبھی یہ بھی سوچا ہے کہ تجھ سے اعلیٰ ایک اور قوت ہے جو تجھے ختم کرسکتی ہے۔

وہ بولا!

ہاں میں اس خدا کو جانتا ہوں جس کے قبضے میں میری جان ہے!

میں بولا کہ!

تم اس خدا کے متعلق جس کے قبضے میں تمہاری جان ہے کیا جانتے ہو؟

کیا تم اس خدا کی وحدت جانتے ہو؟

میں یہ بات کہہ کر اسکی طرف متمنی نظروں سے دیکھنے لگا باوجود اس کے کہ وہ میری بات سن چکا تھا مگر وہ میری طرف متوجہ ہونے کی بجائے اپنے ہاتھوں کی لکیروں میں جھانک

رہا تھا۔ کافی دیر وہ اسی حالت میں رہا اور پھر کافی دیر کے بعد وہ اسی انداز میں رہتے ہوئے بولا کہ: میرا خدا تو شاید میرے مقدر کی ان لکیروں میں کہیں گم ہوگیا ہے۔

میں نے کہا تو گویا تمہارا کوئی علیحدہ خدا ہے اور وہ بھی تیری مقدر کی لکیروں میں گم ہوگیا ہے۔ وہ اسی انداز میں گم رہتے ہوئے بولا!

میرا کوئی علیحدہ خدا تو نہیں مگر جب میں کہتا ہوں کہ سارے جہاں کا خدا ہے تو پھر وہ میرا خدا بھی ہے۔

پھر میں بولا کہ!

تو نے کہا کہ تیرا خدا تیرے مقدر کی لکیروں میں کھو گیا ہے تو گویا تیرا خدا بھی مقدر کی ان لکیروں میں رہتا تھا۔

جانے اس نے میری یہ بات سنی کہ نہ سنی مگر اس نے اب اپنا انداز بدلہ اور اپنی نظریں اوپر کو اٹھائیں اور اب اپنی بات کا سلسلہ یوں شروع کیا کہ خدا اک راہبر ہے جو انسان کے پیدا ہونے سے مرنے تک تقدیر کی صورت میں اسکی راہبری کمان کرتا ہے اور تقدیر ہی وہ حقیقت ہے جس کے تحت انسان کی زندگی میں ایسے واقعات رونما ہوتے ہیں جن کے متعلق وہ سوچتا بھی نہیں جنکی خواہش نہیں رکھتا جس کا مقصد یہ ہے کہ کوئی ایسی قوت موجود ہے جو جاری سوچ اور ہماری خواہشوں سے بالا رہ کر ہماری حاکم ہے ورنہ کوئی بھی کام کسی قوت کے بنا نہیں ہوتا اور یہی تقدیر ہے جو اچھے اور برے کاموں کو ہمارے چاہے بغیر ہماری راہبر ہے۔

پھر وہ کچھ وقفے کے بعد بولا کہ!

میں نے بھی زندگی میں بڑے بڑے رنگین خواب دیکھے تھے رنگیں خواب حسین خیال جن میں میرے وجود کی تکمیل تھی میری چھوٹی سی کائنات تھی کبھی میرے ذہن کی وادیوں میں بھی زندگی اپنی پوری طاقتوں سے رقصاں تھی۔ میں جب طالب علم تھا تو سوچتا تھا کہ میں بھی دنیا میں بڑا آدمی بنوں گا مگر تقدیر میں یہ سب نہ تھا میری تقدیر میں زندگی کی روشنیوں کی بجائے زنداں کے اندھیرے تھے۔ حسین خوابوں کی تعبیر خوفناک سائے تھے میری تقدیر نے مجھ سے میرے خواب و خیال چھین لئے ہیں مجھ سے خوشیوں کے معنی چھین لئے ہیں۔ یہ کہتے ہوئے وہ بہت افسردہ ہوگیا اور آنکھیں نیچی کرکے زمین کو گھورنے لگا۔

اس کی یہ باتیں سن کر میں نے اس سے کہا کہ! لیکن انسان کی ساری زندگی تو تقدیر کے تابع نہیں بہت سے کام انسان کی محنت اور انسان کی قائدانہ صلاحیت کی مرہون منت ہیں

جس سے وہ اپنی زندگی کو کنٹرول کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن انسان کی پیدا کردہ خود کی قیادت درحقیقت خدائی قیادت کی تابع ہے وہ مزید بولا میرے ماں باپ نے میری پیدائش پہ کبھی یہ نہ سوچا ہوگا کہ میں بڑا ہو کر قاتل بنوں اور خود میری بھی یہ خواہش نہ تھی کہ میں زندگی میں کبھی قتل کروں گا بلکہ میں تو زندگی میں کوئی عظیم کام کرنا چاہتا تھا! اور اس کے لئے میں نے عملاً" محنت بھی کی مگر پھر بھی میں وہ نہ بن سکا جو میں چاہتا تھا اور وہ بن گیا جس کا زندگی میں کبھی نہ سوچا تھا! اب یہاں یہ واضح ہوتا ہے کہ انسان کی محنت یا خود کی قیادت تقدیر کی محتاج ہو کر رہ گئی جبکہ میں نے ایسا کبھی نہ سوچا تھا جیسا ہوا اور نہ ہی یہ سب کچھ میرے ماں باپ چاہتے تھے اس کا مطلب یہ ہوا کہ مجھے میرے ماں باپ سمیت کوئی اور قوت ہماری راہبر ہے۔

اس کی یہ باتیں سن کر کافی دیر میں ان پر غور و فکر کرنے کے بعد میں اس سے بولا!

اس کا مطلب یہ ہوا کہ آج تک دنیا میں جو بھی ہوا ہے وہ سب تقدیر کا چکر تھا اور اس میں انسان کی ذرا بھی کاوش شامل نہیں دنیا نے آج تک جتنی ترقی کی ہے وہ سب خود بخود ہوتی گئی ہے یا یوں کہ چونکہ یہ سب ہونا تقدیر میں تھا۔ اس لئے یہ سب انسان نہ کرتے تو حیوان کر لیتے تو میرے نزدیک تو یہ سب لغو اور غیر منطقی باتیں ہیں۔ یہ سب ہونا تقدیر میں تھا اس لئے ہو گیا۔

میں کچھ دیر توقف کے بعد پھر بولا کہ!

میرے خیال میں تقدیر درحقیقت کچھ شے نہیں بلکہ وہ غیر متوقع واقعات جنہیں ہم تقدیر کہتے ہیں وہ غیر متوقع واقعات غیر متوقع حالات کے باعث رونما ہوتے ہیں وہ حالات جنہیں گو ہم اپنے لئے نہیں تراشتے مگر یہ زندگی کہ کسی موڑ پر ایک شریر بچے کی طرح چھپے ہوتے ہیں اور اچانک ہمیں مل جاتے ہیں اور یہ وہ لمحہ ہوتا ہے جب آدمی سکھ یا دکھ پاتا ہے اور چونکہ اس نے ایسا ہونے کے متعلق کبھی سوچا نہیں ہوتا اس لئے وہ اسے تقدیر کا نام دے کر قبول کر لیتا ہے۔ مگر اس کے برعکس تم نے اکثر دیکھا ہوگا کہ ایک لڑکا جو شروع سے ڈاکٹر بننا چاہتا ہے اور محنت کر کے آخر وہ ڈاکٹر بن جاتا ہے تو لوگ اسے کبھی یہ نہیں کہتے کہ وہ اپنی تقدیر کے باعث ڈاکٹر بنا بلکہ سب یہی کہتے ہیں کہ وہ اپنی محنت کے باعث ڈاکٹر بنا ہے۔ درحقیقت انسان بہت خود پرست ہے کہ جو کام وہ چاہتا ہے اور کر لیتا ہے تو اسے وہ اپنی محنت کہتا ہے اور جو کام اس کے بن چاہے ہو جائے اسے وہ تقدیر سمجھ کر قبول کر لیتا ہے اور یہ فقط اپنی ذات کو تسلی دینے کا اک جواز ہے اور کچھ بھی نہیں اور اس کے بعد میں

خاموش لبوں اور منتظر آنکھوں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

وہ کافی دیر سے خاموش تھا اور اس وقت بھی اس کا یہی عالم تھا مگر اس کی آنکھیں رفتہ رفتہ بھر رہی تھیں آخر وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا!

تم اسے تقدیر کہہ دو یا غیر متوقع حالات کا کرشمہ کہہ لو بہر طور یہ ماننا پڑے گا کہ یہ المیہ میرے ساتھ ہوا ہے اس لئے میرے لئے تو اب زندگی کے صرف اتنے معنی ہیں کہ جس طرح زندگی میں ایک چیز کی کبھی خواہش نہ کی تھی مگر وہ واقعہ میرے ساتھ ہوا ہے اسی طرح شاید میں کبھی اس اذیت سے آزاد ہو سکوں زنداں کے اندھیروں سے نکل سکوں اور شاید یہی تقدیر یا غیر متوقع حالات مجھے آزادی دلا سکیں مگر شاید زندگی میں ہم جن چیزوں کی شدید خواہش کرتے ہیں وہ ہمیں کبھی نہیں ملتیں اور اسی لئے مجھے لگتا ہے کہ شاید میں کبھی بھی دوبارہ آزادی کی زندگی نہیں گزار سکوں گا جیل کے اندھیروں سے نکلوں گا تو پھانسی کی کال کوٹھڑی میں پہنچ جاؤں گا اور شاید میری زندگی کا اس سے آگے سفر ممکن نہیں اور یہ کہتے ہوئے وہ زار و قطار رونے لگا اور روتے ہوئے ہی وہ بڑبڑایا کہ میں زندہ رہنا چاہتا ہوں! میں زندہ رہنا چاہتا ہوں۔ میں زندہ رہنا چاہتا ہوں۔ اور اتنے میں سپاہی نے اس کی زنجیر کھینچی اور بولا چلو تمہیں اندر سے بلاوا آیا ہے اور یہ کہہ کر وہ اسے آہستہ آہستہ عدالت کی طرف لے جانے لگا!

میں اسے اپنی آنکھوں سے اوجھل ہونے تک دیکھتا رہا اس کی اس بے بسی پہ مجھے بڑا رحم آیا مگر بے کار کہ جب آدمی کسی کے لئے کچھ کر نہ سکے تو پھر رحم کرنا بھی بے کار ہوتا ہے پھر میں نے اپنی توجہ اپنے موضوع پر دی اور اس کے حالات اور اس میں جنم لینے والی اس کی سوچ پر غور کرنے لگا ایک ایسا آدمی جسکے چاروں طرف اندھیرے ہوں اور امید کی کوئی کرن نظر نہ آرہی ہو ایسے میں انہونی یا غیر متوقع باتوں یا تقدیر کے تصور کے سوا اس کی ڈھارس کا کوئی ذریعہ ممکن نہیں۔ یہی سوچتے ہوئے میں بھی آہستہ آہستہ قدموں سے عدالت کے احاطے سے باہر نکل آیا۔

===O===

منافق

قاتل کی باتیں اور صورت حال دیکھ کر میں بہت رنجیدہ و آزردہ ہوچکا تھا اس لئے میں چاہتا تھا کہ اب کسی ایسے شخص سے ملوں کہ جو میرے ذہن سے اس کی باتوں کی تلخی تلف کرسکے کہ میں دوبارہ پھر سے پوری تندہی سے خدا کی تلاش کی سعی میں سرگرداں رہ سکوں کہ قاتل کی باتوں سے میرے اعصاب مضحل ہوچکے تھے۔

میں نے سوچا کہ مجھے اب کسی ایسے شخص سے ملنا چاہئے کہ جس کی زبان میں شیرینی ہو مگر کردار تضادات کا مجموعہ۔ جو دوست نظر آئے مگر دشمن ہو۔ گویا ایسا شخص کہ جسے زد عام میں منافق کہا جاتا ہے کہ وہ انسانوں کی فطرت کو ان کے خلاف استعمال کرنے کا ہنر جانتا ہے اور اپنے مفادات کی خاطر انسانوں کی فطرت کو اپنے حق میں استعمال کرنے کا' کہ اس کے اس ہنر نے ہوسکتا ہے کہ اس پر کبھی ازلی سچائی کی تحصیل کا بھید کھولا ہو اور خدا کی ماہیت کے بارے میں کبھی کوئی سچائی اس پر آشکار ہوئی ہو مگر وہ اب بھی صرف اس لئے طشت از بام نہ کرنا چاہتا ہو کہ ایسا کرنے سے اس کے منافقانہ رویہ کی نفی ہوتی ہو۔ حالانکہ ایک منافق پر خدا کی حقیقت اشکار ہونے کا ایسے ہی کوئی امکان نہیں کہ جیسے سماج کی تبدیلی کے بغیر انسان کی فلاح کا کوئی تصور پیدا نہیں ہوسکتا مگر پھر بھی مجھے اسے اس لئے ملنا چاہئے کہ سچائی اپنے ناقابل تقسیم ہونے کے حوالے سے ہر جگہ اپنے پائے جانے کا امکان رکھتی ہے اور یوں میں ڈھونڈتے ڈھونڈتے ایک ایسے ہی شخص کے پاس جا پہنچا کہ جس کے بارے میں مجھے بہت سے لوگوں نے تصدیق کی کہ وہ منافق ہے۔

چہرے پر متانت' لہجے میں عاجزی' رویے میں انکساری مگر چمکتی ہوئی آنکھوں میں شرارت کہ جیسے میری اس فطرت کو تلاش کررہا ہوں کہ جس کی معصومیت کو وہ اپنے کسی مفاد کے لئے استعمال کرسکے۔

اے بشر! میں ایک سخت الجھن میں ہوں مگر میں یہ بھی جانتا ہوں کہ میری الجھن تیرے کسی مفاد کی تکمیل کا باعث نہیں بن سکتی اور میری الجھن یہ ہے کہ میں خدا کی تلاش میں

ہوں۔ مجھے اس کی صفات کے سرچشمے کی تلاش ہے۔ اس کے ہونے کی وحدت کی دلیل--- کیا تو میری اس الجھن کو دور کر سکے گا؟

وہ یہ سن کر میری طرف کچھ دیر حیرت سے دیکھتا رہا اور پھر کچھ طنزیہ سے انداز میں مسکراتے ہوئے مجھ سے بڑی بے پروائی سے کہنے لگا۔

خدا مذہبی جنونیت پسندوں کے ذہن کا ایسا ڈھکوسلا ہے کہ جس کے نام کو انہوں نے اپنے مفادات کی خاطر اتنا استعمال کیا ہے کہ شاید اس قدر بازار کی کوئی طوائف بھی استعمال نہ ہوئی ہو۔

میں نے اس کی یہ بات سنی تو یکدم جذباتی سا ہو گیا اور باوجود یکہ میں نے اپنے جذبات کو مکمل قابو کرنے کی کوشش کی مگر پھر بھی میری آواز میں کچھ سختی آ ہی گئی اور میں اسی لہجہ میں اس سے بولا کہ۔

اے بندے! گو کہ مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں کہ تیرا خدا کے ہونے پر یقین ہے کہ نہیں مگر پھر بھی تجھے یہ کہنے کا حق رکھتا ہوں کہ تیرے انداز گفتگو میں خدا کے ہونے کی تردید سے زیادہ اس کی تذلیل پنہاں ہے اور ایسی گفتگو کرتے ہوئے ہمیں یہ بات نہیں بھولنی چاہئے کہ جس کے ہونے کا ہمیں یقین نہیں ہوتا ایسی شے کی تذلیل دراصل ہمارے رویوں کے ابہام کو واضح کرتی ہے۔ اس لئے میں جسے ڈھونڈ رہا ہوں یا اس کی تردید کرو یا اس کے ہونے کے حوالے سے اپنی سوچ کا ارتکاز واضح کرو لیکن سچائی اول کے بارے میں یہ رویئے مجھے قبول نہیں۔

اس نے جب میرا یہ لہجہ دیکھا تو یکدم رونے لگا اور روتے ہوئے منہ سے بڑبڑیوں گویا ہوا کہ------

میں کتنا بدبخت اور نامراد ہوں کہ خدا کے بارے میں کیسی کیسی گستاخانہ و غیر مہذبانہ باتیں کہہ گیا۔ کاش! مجھے یہ باتیں کہنے سے پہلے موت آجاتی۔ میری زبان میرے حلق سے کٹ جاتی اور میں لفظوں کو کہنے کی لذت بھول جاتا۔ مگر میں روسیاہ ایسے بختوں والا کہاں کہ میرے ایسے نصیب ہوتے۔ اے خدا! مجھ مردود کو معاف کرنا کہ میں تیرے بارے میں کیا کیا کہہ گیا کہ معاف اور درگزر کرنا تیری شان ہے۔

وہ یہ آنسو بہا رہا تھا اور مجھے اس کے رویے پر سخت حیرت ہو رہی تھی کہ یہ کیسا شخص ہے کہ جو ایک پل میں کیا تھا اور ایک پل میں کیا ہے۔ مجھے اس کے ان رویوں سے اس سے شدید نفرت ہو گئی اور میں اس کی صحبت سے پناہ چاہنے لگا اور اس کے قریب سے

اٹھتے ہوئے میں نے اس سے کہا کہ-----

تمہارے رویے تو سراسر سطحی' چاپلوسانہ اور منافقانہ ہیں۔ اس لئے مجھے تم سے کوئی امید نظر نہیں آتی کہ تم مجھے سچائی کے بارے میں کچھ بتا سکو گے۔

اور میں یہ کہہ کر اس کے پاس سے واپس جانے کو مڑا تو یکدم وہ اپنے آنسو پونچھتا ہوا میرے قریب آیا اور کہنے لگا-----

میرے قریب ہی ایک بہت غریب عورت رہتی ہے۔ اس ہفتے اس کی بچی کی شادی ہے۔ اس کی مدد کو کچھ دیتے جاؤ۔ میں اس تک پہنچا دوں گا۔ یقیناً" خدا تمہیں اس کا بڑا اجر دے گا۔

میں نے اس کی باتیں سنیں تو اپنی بے بسی پر ہنستے ہوئے اس سے کہنے لگا کہ---

"کیا میں تمہیں اس قابل لگتا ہوں کہ کسی کو کچھ دے سکوں۔"

یہ سن کر یکدم اس کے لہجے میں درشتگی آگئی اور غم کے سارے تاثرات اس کے چہرے سے غائب ہوگئے اور مجھے جھڑکتے ہوئے بولا۔

نکلے ہو خدا کو ڈھونڈنے اور اس کی مخلوق کو دینے کو پیسہ نہیں مجھے تو تم کوئی بہت بڑے منافق لگتے ہو۔

میں نے اس کی ان باتوں پر کوئی توجہ نہ دی اور آگے چل پڑا مگر ذہن میں اس کے یہ لفظ اب بھی گونج رہے تھے کہ۔

"خدا مذہبی جنونیت پسندوں کا ایسا ڈھکوسلا ہے کہ جس کے نام کو انہوں نے اپنے مفادات کی خاطر اتنا استعمال کیا ہے کہ شاید اس قدر بازار کی کوئی طوائف بھی استعمال نہ ہوئی ہو۔

===O===

انقلابی

صبح و شام کی مسافتیں لوگوں سے ملنا ان سے باتیں کرنا اور پھر نتیجے میں مایوسی یہ سارا عمل تھکا دینے والا عمل تھا میرا ذہن سخت ماؤف تھا۔ اور میں چاہتا تھا کہ کہیں بہت دیر تک آرام کروں مگر بار بار ذہن میں بنتے ہوئے دائرے مجھے سکون نہ لینے دے رہے تھے شام کا وقت تھا اور میں گاؤں میں ایک درخت کے نیچے بیٹھا تھا میرے قریب ہی ایک نوجوان مٹی پہ بیٹھا خود سے باتیں کررہا تھا۔ شاید اس بات سے بے خبر کہ کوئی شخص اس کے قریب بھی بیٹھا ہے میں خاموشی سے اس کے اور قریب ہوگیا اور اس کی باتیں سننے لگا وہ کہہ رہا تھا کہ!

اے دھرتی! مجھے تیری اس مٹی کی قسم کہ جس کا خمیر میرے اس وجود کے ارتقاء کا اعجاز بنا میں اپنی زندگی تیرے سینے کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں بانٹنے والے اژدھوں کو ختم کرنے کے عہد پر نثار کردوں گا!

اے دھرتی! مجھے قسم ہے تیرے آنچل میں پھیلی ہوئی ان فضاؤں کی کہ جن میں تجھ سے کئے گئے عہد پہ قربان ہوجانے والی میری مقدس سانسیں جنم لے رہی ہیں میں تیری ان فضاؤں میں گم ہونے والی چیخوں کی بجائے ان میں نئے دور کے ترانے بکھیر کے رہوں گا!

اے دھرتی! مجھے قسم ہے تیرے وجود میں پھیلی ہوئی ان خوشبوؤں کی میں تیرے شکم میں پلنے والے ان طبقات کو مٹا دوں گا جنہوں نے خدا کے بنائے ہوئے انسانوں کو بہت سے گروہوں میں تقسیم کردیا ہے!

میں اس کی ان باتوں سے جان چکا تھا کہ یہ کوئی انقلابی ہے جو خیالوں میں بسائی ہوئی دنیا کو حقائق کی دنیا سے متصادم کرانا چاہتا ہے لہٰذا میں نے اسے اپنی طرف متوجہ کیا اور میں نے اس سے کہا کہ!

اے انقلابی کیا تو جانتا ہے کہ کوئی بھی نظام خدا کی مدد کے بغیر نہیں بدل سکتا ہے تو کیا نظام کی اس تبدیلی میں خدا تمہارے ساتھ ہے؟۔

میری یہ بات سن کر وہ بولا!

یقیناً" خدا بہتری کے ہر کام میں شریک ہوتا ہے۔

میں نے کہا!

میں خدا کی تلاش میں نکلا ہوں اس کی وحدت اس کے مرکز کی تلاش میں--- اے انقلابی مجھے خدا کا پتہ دے اس کی وحدت اس کے مرکز کا پتہ بتا دے!

وہ بولا!

اے بندے مجھے بتا کہ تجھے کس خدا کی تلاش ہے اس پرانے اور حقیقی خدا کی کہ جس نے کائنات اور مخلوقات کو بنا ٹکڑوں اور بنا طبقات کے تخلیق کیا یا اس نئے اور جھوٹے خدا کی کہ جسے چند انسانوں سے مشابہہ درندوں نے اپنے چند زر خرید مذہبی راہنماؤں کے توسط سے اپنے مفادات کے تحفظ کی خاطر تخلیق کیا!

میں نے کہا!

یقیناً" خدا تو وہی ہے جس نے کائنات کو تخلیق کیا اور اسے آباد کرنے کے لئے مخلوقات کو جنم دیا گو اس کا وجود صدیوں پرانا سہی مگر آج بھی وہ ناقابل تسخیر ہے وہی حقیقی خدا ہے اور مجھے اس کی تلاش ہے!

وہ بولا! وہ خدا تو شاید تمہیں اس دنیا میں نہ مل سکے!

میں اس کی یہ بات سن کر ایک دم سے حیران ہو گیا اور میں نے فوراً" کہا وہ کیوں

وہ بولا!

ہر چیز کے زندہ رہنے کا ایک ماحول ہوتا ہے اور پھر وہ اسی ماحول سے پہچانی جاتی ہے۔ خدا بھی جب اس دنیا میں رہتا تھا تب اس دنیا کا ماحول بھی اس کے شایان تھا کہ خدا تو عظمتوں کا اک پیکر ہے اس لئے وہ کسی بھی نجاست سے آلودہ ماحول میں نہیں رہ سکتا۔ پہلے یہی دنیا تھی جہاں نہ زمینوں کے ٹکڑے تھے نہ طبقات کی تقسیم نہ کوئی مجبور تھا اور نہ کوئی مجبوری کا خریدار معاشرہ تمام سماجی آلودگیوں سے پاک تھا۔ اور اگر کوئی برائی بھی تھی تو وہ برائی کے تصور سے ماورا تھی اور نیکی تھی تو وہ بھی نیکی کے معنوں سے اعلیٰ تھی صرف انسان تھا اس کا سماج تھا اور ان سب پر خدا حکمران تھا ہر کہیں قدرت اپنی پوری شادابی پر تھی تب خدا ہر کہیں موجود تھا اسے ہر ذرے میں تلاش کیا جاسکتا تھا کہ خدا ذہنی پیچیدگیوں میں نہیں کردار کی سادگی میں رہتا ہے اور اس وقت انسان کا معاشرہ بھی بہت سادہ تھا اور آج انسان کا ذہن انتہائی پیچیدگیوں کا شکار ہے اور پھر آہستہ آہستہ یہ زمین بٹنی شروع ہو گئی۔ وہ زمین جسے خدا نے اپنے رہنے کے لئے تخلیق کیا تھا وہ انسانوں کی ملکیت بننے لگی پھر انسان کو تقسیم کیا گیا گروہوں میں اور انہیں پنچ اور اعلیٰ سمجھا جانے لگا اور پھر ان دو تبدیلیوں نے نیکی اور

برائی کے تصور کو جنم دیا پھران دونوں کے تضاد میں ظلم پیدا ہوا اور پھر اسی ظلم نے بھوک ننگ مفلسی بے حسی اور بیماریوں کو جنم دیا اور وہی معاشرہ جو سادگی اور یکسانیت کا عکس تھا وہ نجاستوں آلودگیوں اور تقسیم کی برائیوں کا مرکز بن گیا اور یوں جیسے کوئی شریف آدمی کسی برے محلے میں رہنا پسند نہیں کرتا چاہے اس نے اس محلے میں اپنے رہنے کو بڑی محنت اور محبت سے گھر کیوں نہ بنایا ہو! اسی طرح وہ خدا جس نے بڑی محبت سے اپنے رہنے کو یہ دنیا بنائی تھی وہ بھی یہاں سے نکل گیا اور دور آسمانوں میں بسیرا بنا لیا اور اب مدتوں سے وہ یہاں نہیں رہتا یہاں تو اب صرف انسان کی ہی پیدا کردہ برائیاں اور نجاستیں رہتی ہیں اور اس کے بعد وہ خاموش ہو گیا۔

میں ابھی اس کی باتوں پر غور کر رہی رہا تھا کہ وہ پھر بولا!

اگر خدا کو ڈھونڈنا ہے تو پہلے اس فرسودہ اور استحصالی نظام کو ختم کرو اس دنیا سے ننگ بھوک مفلسی اور جہالت کا خاتمہ کرو اور اس معاشرے کو دوبارہ لاؤ جس میں نہ طبقات ہوں نہ زمین کے ٹکڑے اور جب وہ معاشرہ دوبارہ یہاں جنم لے گا تو مجھے یقین ہے کہ خدا دوبارہ اس زمین پہ لوٹ آئے گا اور پھر تمہیں کہیں خدا کو ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں پڑے گی تب ہر طرف خدا ہی خدا ہوگا!

اور اس کے بعد وہ پھر خاموش ہو گیا مگر میں بھی کچھ نہ بولا۔ میں منتظر تھا کہ یہ پھر کچھ بولے گا مگر کافی دیر تک جب وہ کچھ نہ بولا تو میں سمجھ گیا کہ یہ اپنی بات پوری کر چکا ہے لہٰذا اب میں بولا کہ! تیری باتیں تو تیرے مخصوص نظریے کی انتہاء ہیں مجھے معاشرے کی برائیوں سے اختلاف نہیں بلکہ اختلاف ہے تو اس بات سے کہ تونے تو اس دنیا میں خدا کے پائے جانے کے امکانات ہی ختم کر دیئے ہیں اور دوسرا تونے خدا کے پائے جانے کا جو ذریعہ بتایا ہے کہ اس پورے نظام کو تبدیل کر دیا جائے تو میرے نزدیک اسکا حل نہیں کیونکہ معاشرہ اچھا ہو سکتا ہے لیکن نیکی اور برائی کا تصور ختم نہیں ہو سکتا اور دوسرا یہ کہ ایک یا ایک سے زائد معاشرے تو اچھے ہو سکتے ہیں مگر دنیا کے تمام معاشرے ایک ہی نظام کو نہیں اپنا سکتے ہاں البتہ یہ ضرور ہے کہ اگر میں خدا کی تلاش میں ناکام رہا اور خدا کو تلاش کرنے کی جستجو باقی رہی تو پھر میں تمہارے ساتھ آملوں گا کہ شاید مجھے اسی طرح خدا مل جائے!

میری یہ باتیں سن کر وہ بولا کہ! تجھے خدا کی تلاش مقصود ہے اور مجھے نظام دنیا کی تبدیلی دیکھیں کہ ہم میں پہلے کون کامیاب ہوتا ہے لیکن ایک بات یقینی ہے کہ ہم میں سے ایک کی بھی کامیابی دونوں کی ہی کامیابی ہوگی۔

میں نے کہا کاش ایسا ہی ہو اور ایک طرف چل دیا۔

===O===

دہریہ

میں جب سے اس انقلابی کی صحبت سے اٹھ کر آیا تھا میرے ذہن میں ایک ہی بات بار بار کھٹک رہی تھی اور وہ یہ کہ جب اس نے کہا تھا کہ اس دنیا میں تمہیں خدا نہیں مل سکتا اور میں سوچنے لگا کہ میں ایک مدت سے خدا کی تلاش میں ہوں مگر میں اب تک خدائی صفات کی وحدت کو نہیں پا سکا آخر کیوں؟ اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ کیا کہیں واقعی ایسا تو نہیں کہ خدا کا ٹھکانہ یا اسکی وحدت یہاں اس دنیا پر ہو ہی نہیں اگر یہاں خدا نہیں تو پھر خدا ہے ہی نہیں خدا کی صفات کی وحدت نہیں تو پھر کوئی بھی چیز اپنی وحدت کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی لہٰذا پھر خدا بھی نہیں ہاں یہ بھی تو ممکن ہے کہ خدا ہو ہی نہ کہ میں اب تک جسکے پاس بھی گیا ہوں سب نے مجھے خدا کا اک نیا تصور دیا ہے ہر شخص کے نزدیک خدا کا اک نیا تصور ہے ایک کا بھی دوسرے سے خیال نہیں ملتا تو کیا یہ ممکن نہیں کہ اگر میں خدا کی وحدت کو اپنے طور پر ڈھونڈ بھی لوں تو کیا ضمانت ہے کہ لوگوں کے لئے بھی وہ قابل قبول ہو۔ کیا وہ نظریہ بھی جسے میں اپنے طور پر درست مانوں گا میرا ذاتی نظریہ نہیں ہوگا کیا میری خدا کی تلاش بے کار بے سود نہ جائے گی! مگر وہ تمام لوگ جنھوں نے مجھے خدا کا اک نیا نظریہ بتایا ہے کیا وہ درحقیقت خدا کے وجود کے ہونے پر دلالت نہیں کرتے یقیناً" وہ خدا کے وجود کو مانتے ہیں اور مجھے اس اہمیت کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہئے اور پھر یہ بھی ممکن ہے کہ میں اب تک جن کے پاس بھی گیا۔ وہ خدا کو ماننے والے تھے چاہے ان کی شکل کچھ بھی تھی مگر ان مین ایک قدر مشترک تھی اور وہ یہ کہ وہ سب خدا کو مانتے تھے کیا مجھے کسی ایسے شخص کے پاس نہیں جانا چاہئے جو خدا کو مانتا ہی نہ ہو خدا کے وجود کا ہی منکر ہو!

ممکن ہے کہ خدا کو ماننے والے لوگ خدا کے جس وجود کو ایک وحدت کی صورت میں مجھ پر ثابت نہیں کر سکے وہ خدا کو نہ ماننے والا دھریہ مجھ پہ اس خدا کی عدم حقیقت ثابت کر دے یقیناً" مجھے ایسا کرنا چاہے کہ میرے ذہن میں خدا کے ہونے اور نہ ہونے کے دونوں امکانات موجود ہیں۔

اور یوں میں ایک خدا کو نہ ماننے والے خدا کے منکر ایک دھریئے کے پاس گیا اور میں

اس سے گویا ہوا کہ : اے خدا کے منکر!

تو کہ خدا کے وجود کو نہیں مانتا اور میں کہ تیرے پاس خدا کے ہونے اور نہ ہونے کے دونوں امکانات لئے تیرے سامنے ہوں۔ کیا تو مجھ پہ خدا کی عدم موجودگی ثابت کر سکتا ہے کہ میں تجھ سے پہلے بہت سے بندوں کے پاس گیا ہوں کہ وہ مجھ پہ خدا کی وحدت آشکار کر سکیں مگر وہ خدا کے متعلق رنگ برنگی بولیاں بولتے ہیں وہ خدا کو مانتے تو ہیں مگر فقط خدا کے حوالے سے منطقی حوالے سے نہیں اور جس منطق سے وہ خدا کو مانتے ہیں وہ ان کی ذاتی خواہشات و خالات پر بنی ہے ان میں عالمگیریت نہیں جب کہ میرے نزدیک اگر خدا ہے تو وہ ایک عالمگیر حوالے سے ہے۔

اے بندے اب میں تیرے پاس آیا ہوں کہ وہ تمام بندے جو خدا کو مجھ پہ ایک عالمگیر وحدت کے حوالے سے نہیں ثابت کر سکے تو اسے مجھ پہ عدم ثابت کر دے اگر تو خدا کو نہیں مانتا تو اسکے پیچھے یقیناً" ایک بڑی منطق ہوگی - ! دلائل ہوں گے - : ثبوت ہوں گے !

اس کے بعد میں خاموش ہوگیا اور اس کی باتیں سننے کے لئے بالکل تیار ہوگیا۔

کچھ دیر توقف کے بعد وہ یوں گویا ہوا کہ :

خدا اک وہم ہے جس کا کوئی وجود نہیں اور پھر وہ مزید کچھ دیر خاموش رہنے ۔کے بعد بولا کہ !

پہلے میں بھی خدا کو مانتا تھا کیونکہ میرے ماں باپ بھی خدا کو مانتے تھے مگر سنہ شعور میں پہنچ کر مجھے بھی خدا کا قرب حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوا اور میں نے مذہبی کتب پڑھنی شروع کر دیں کہ خدا کا حصول ممکن ہو میں نے پڑھا کہ کائنات کی واحد قوت خدا ہے جو اپنی قوت کے ذریعے ہر شے کو حرکت دیتی ہے کوئی چیز بھی اس کی منشاء و مرضی کے خلاف کام نہیں کر سکتی اس کی صفات پڑھیں تو میں نے خدا کو یقین کی قوتوں سے مان لیا۔ ! مگر جب میں نے خدا کی مطلق قوت کے برعکس جنت اور دوزخ کے قصے پڑھے۔ تو مجھ میں ایک سوال پیدا ہوا کہ جب کوئی چیز کسی فعل کی قوت نہیں رکھتی اور کوئی کام خدا کی منشاء کے خلاف نہیں ہو سکتا تو پھر سزا اور انسان کیوں؟ جبکہ انسان تو ایک کٹھ پتلی ہے جس کی ڈور خدا کے ہاتھوں میں ہے۔

خدا کے وجود پر میرے ایمان کی چٹان میں یہ پہلی دڑاڑ تھی جسے میں جوڑنا چاہتا تھا کہ اپنے موروثی عقیدے کا ہر حال میں بچاؤ بھی مجھے وراثت میں ملا تھا اس لئے میں نے خدا کی اس مطلق حاکمیت اور انسان کی مطلق بے بسی کے اس تضاد کا فلسفہ ڈھونڈنے کے لئے میں

نے اور کتابیں پڑھیں پھر میں نے پڑھا کہ کائنات کی تمام مخلوق کا رازق خدا ہے اور اسے روزی دینا اس کا اپنی مخلوق سے وعدہ ہے مگر میرے سامنے بھوک سے مرتے اور بلکتے ہوئے بے شمار انسان تھے جو خدا کا اپنی مخلوق اور انسان سے کئے گئے وعدے اور فرض کی بد عہدی پیش کر رہے تھے اور میں سوچنے لگا کہ میں ایک ایسی شے کو کیسے کامل قوت مان لوں جو انسان کو دو وقت کا رزق دینے سے بھی معذور ہے اور اپنی تشفی کے لئے کائنات کے پردے پر رچائے ہوئے اس ڈرامے کے خود ساختہ کرداروں کو سزا وجزا دینے میں فخر محسوس کرتا ہے پھر میں نے پڑھا کہ خدا انصاف کرنے والا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی پڑھا کہ وہ جسے چاہے ایک نیکی سے بخش دے اور جسے چاہے ایک برائی پر سزا دے دے تو یہ کہاں کا انصاف ہے؟ خدا نہ ہوا اک جابرو ظالم و مطلق العنان بادشاہ ہوگیا جو اپنی قوت کا استعمال کرتے ہوئے کوئی بھی غلط فیصلہ کرے اور اگر ہم خدا اور شیطان کے وجود اور ان کی کہانی کو سچ مان لیں تو کیا خدا اک ظالم حاکم نہیں ٹھہرتا ہے جس نے کروڑوں سال سے عبادت کرنے والے فرشتے کی صرف ایک حکم عدولی پر شیطان بنا دیا کیا یہ انصاف تھا کہ خدا نے اس کی کروڑوں سال کی عبادت کو بھول کر اس کی صرف ایک نافرمانی پر اسے اتنی عظیم سزا دی کیا اس کہانی میں خدا کا کردار ایک مطلق حاکم کی صورت میں نہیں بنتا اور پھر یہ بھی تو کہا جاتا ہے کہ تمام اچھائیوں کا خالق خدا ہے یا یوں کہ تمام اچھے کام خدا کی وجہ سے ہوتے ہیں اور تمام برائیوں کا خالق شیطان ہے یا یوں کہ تمام برے کام شیطان کی وجہ سے ہوتے ہیں اور اگر یہ مان لیا جائے تو پھر ہمیں یہ بھی ماننا پڑے گا اولاً" تو شیطان بھی خدا کے برابر قوت رکھتا ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر کیونکہ دنیا میں برائیاں زیادہ ہیں اور اچھائیاں کم دوم یہ کہ اگر خدا کی مطلق حاکمیت کو مان لیں تو پھر یہ بھی اس نے تخلیق کیا ہے اور اگر شیطان کو بھی اسی نے تخلیق کیا ہے تو پھر مجھے یہ بتاؤ کہ خدا کو ماننے والے جو یہ کہتے ہیں کہ خدا انسان کا باپ یعنی پیدا کرنے والا۔ دوست اور خیر خواہ ہے تو پھر مجھے یہ بتاؤ کہ شیطان کو پیدا کرکے وہ کیسے انسان کا دوست اور خیر خواہ ٹھہرتا ہے جبکہ بقول انھی خدا کے ماننے والوں کہ تمام فسادات کی جڑ شیطان ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ دنیا میں انسان پر جتنے بھی ظلم ہو رہے ہیں وہ شیطان کے باعث ہیں اور شیطان خدا کی تخلیق حالانکہ حقیقت میں نہ تو خدا ہے اور نہ ہی شیطان کا کوئی وجود۔

مجھے گم سم دیکھ کر اسنے بات کو مزید آگے بڑھایا! مجھے بتاؤ تو وہ لوگ جو مختلف مذاہب سے متعلق لوگوں کے گھر پیدا ہوتے ہیں اور ہر مذہب اپنے مذہب کو حقیقی اور سچا کہتا ہے

اور دوسرے مذہب کو غلط مذہب قرار دیتا ہے تو وہ لوگ جو ایک خاص مذہب کے تحت پیدا ہوتے ہیں ان کے نزدیک مذہب اور خدا کا تصور اختیاری نہیں جبری ہے کہ ان کا خاص ماحول انہیں ایسا کرنے پر مجبور کرتا ہے ہم لوگ ایک مذہب کو مان کر کئی مذاہب کو نہیں مانتے اور یہی رنگا رنگ مذاہب خدا کی عدم موجودگی کو ثابت کرتے ہیں کیونکہ اگر خدا ہوتا تو سب لوگ ایک ہی رنگ میں رنگے ہوتے! جس طرح ایک باپ کی ساری اولاد اسی کی نسل سے متعلق ہوتی ہے۔

اپنی بات کو ایک توقف کے بعد جاری رکھتے ہوئے وہ بولا! پہلے لوگ خدا کو اس لیے مانتے تھے کہ ان کے سامنے کائنات تھی اور اس میں بنی ہوئی چیزیں تھیں مثلاً" پہاڑ' سمندر' درخت جاندار ' چاند ستارے ' آسمان ' رات ' دن اور بے شمار چیزیں تھیں اور ان سب کو انسان اپنی پہنچ سے باہر سمجھتا تھا اس لیے وہ سمجھتا تھا کہ یہ چیزیں کسی خدا نے بنائی ہیں۔

مگر جوں جوں انسان عقل و شعور کی دولت سے مالا مال ہوتا گیا اسنے ان چیزوں کی حقیقت جانی شروع کر دی اور آخر اس کی کوششیں بار آور ثابت ہوئیں اور آج انسان جانتا ہے کہ سمندر جو پانی سے بنتے ہیں وہ پانی درحقیقت گیسوں کا مجموعہ ہے اور ان کے خاص تناسب سے یہ کہیں بھی بنایا جاسکتا ہے آسمان جسے پہلے زمین پر ایک چھت سمجھا جاتا تھا وہ انسان کی حد نگاہ کے سوا کچھ بھی نہیں قوی ہیکل پہاڑ جنہیں دیکھ کر انسان خود کو سکڑتا ہوا محسوس کرتا تھا اب انسان جانتا ہے کہ وہی پہاڑ معدنیات کے دفینے ہیں یہ ہمیں نظر آنے والے چاند ستارے جو کل تک ناقابل تسخیر سمجھے جاتے تھے آج انسانی قدموں تلے روند رہے ہیں آج انسان یہ بھی جانتا ہے کہ انسان سمیت تمام مخلوقات کی پیدائش قدرتی نہیں بلکہ ایک سائنسی عمل کا نتیجہ ہیں! کل ایک بچے کی پیدائش کو بھی معجزہ سمجھا جاتا تھا جبکہ آج انسان مصنوعی طریقوں سے بچے پیدا کر رہے ہیں انسان وقت کو تسخیر کرتا جارہا ہے کل جو فاصلے سالوں میں طے ہوتے تھے آج پل کا کھیل ہیں آج انسان یہ بھی جانتا ہے کہ کل کا انسان جو یہ سمجھتا تھا کہ ہماری زمین آسمان کے نیچے ایک فرش ہے وہ ایسا نہیں ہے بلکہ یہ زمین بھی خلاء میں گھوم رہی ہے یہ پھل پھول پودے یہ سبزیاں یہ سب خدا کی دین نہیں جیسا کہ عام لوگ سمجھتے تھے یا اب بھی سمجھتے ہیں۔ درحقیقت یہ بھی خاص موسموں اور اشیاء کے اختلاط کا نتیجہ ہے اگر یہ سب خدا کی وجہ سے ہوتا تو پھر مجھے بتاؤ کہ موسم گرما کے پھل موسم سرما میں کیوں نہیں اگ سکتے یا یہ کہ آم کا بیج بو کر سیب کا پھل حاصل کیوں نہیں کیا جاسکتا کہ اگر یہ سب خدا ہی کرتا ہے تو پھر آدمی کے اتنے تردد کی کیا ضرورت ہے کہ وہ بیجی

ہوئی فصل کی حفاظت کرے اسے کاٹے اور پھر وہ چیز ہم حاصل کریں۔ درحقیقت ہر چیز اپنے سائنسی اور ارتقائی مرحلے سے گزر کر ہی تکمیل کو پہنچتی ہے اور یہ عمل جب بھی اور جہاں بھی پورا ہوجائے چیز معرض وجود میں آجاتی ہے مگر اس سائنسی و ارتقائی مرحلے کے بغیر کسی بھی چیز کی تخلیق کا سوچنا بھی محال ہے۔

درحقیقت انسان اپنے ذہنوں پہ چھائے ہوئے موروثی خدائی تعصب کے آئینوں کو توڑتا جارہا ہے اور انسان اس تعصب کی گرتی ہوئی دیوار کے پیچھے سائنس' ٹیکنالوجی اور علت اور سبب کے لازوال رشتے دیکھ رہا ہے جس نے انسان کو تخلیق کار بنا دیا ہے اور اس پر کائنات کی حقیقت آشکار ہوتی جارہی ہے اور انسان کے ذہن پر چھایا ہوا خدا کا خود ساختہ خول ٹوٹتا جارہا ہے خدا تو ازل سے ہے ہی نہیں البتہ انسان نے اپنے ذہن پر جو خدا کا اک وجود اپنی کم عقلی کی وجہ سے مسلط کیا تھا اب وہ ٹوٹتا جارہا ہے۔ انسان جوں جوں اشیاء کی ماہیت و ترکیب جان رہا ہے توں توں خدا کا خود ساختہ خول بکھرتا جارہا ہے۔

اس نے اپنی آخری باتیں بڑے نرم انداز سے کی تھیں اور اب وہ خاموش تھا اور جیسے میری حقیقت سے بے خبر وہ دور خلاؤں میں گھور رہا تھا!

میں یہ چاہتا تھا کہ میں پہلے اس کی بات کو ہر لحاظ سے مکمل ہولینے دوں اور پھر اپنی بات شروع کروں لحاظہ میں نے اس سے کہا کہ تم یہ کہتے ہو کہ خدا نہیں ہے مگر پھر ہمیں یہ کائنات بھی نظر آتی ہے جو تمہاری باتوں کے بقول ظاہر ہے کہ خدا نے نہیں بنائی تو پھر تمہارے نزدیک یہ کائنات کیسے معرض وجود میں آئی وہ میرا سوال سن کو یوں گویا ہوا کہ! کائنات جیسی اب ہے ایسی پہلے کبھی نہ تھی لور جیسی اب ہے ویسی ہمیشہ نہیں رہے گی اور اس کا بنیادی سبب ارتقاء ہے اور ارتقاء درحقیقت ہر چیز کا خالق ہے اور کائنات کا یہ ارتقاء ایک لامحدود مادے سے شروع ہوا تھا یہ کہنے کے بعد وہ ایک دم خاموش ہوگیا اور میری طرف دیکھ کر بولا کہ اب تم پوچھو گے کہ یہ مادہ کیسے تخلیق ہوا؟

میں فورا" بولا کہ ظاہر ہے۔

اس نے میرا جواب سننے سے پہلے ہی ایک گلاس اٹھا لیا تھا اور وہ گلاس مجھے دکھاتے ہوئے بولا کہ! کیا یہ گلاس خالی ہے۔

میں نے کہا! نہیں اس میں ہوا بھری ہوئی ہے۔ یہ سنتے ہی وہ فورا" بولا کہ یہی ماجرہ کائنات کے مادے کا ہے کہ اگر ہم یہ سوچ لیں کہ ایک بہت بڑا کنواں ہے اتنا بڑا کنواں کہ ہم اس کی حدوں کا سوچ ہی نہیں سکتے اس کی دیواریں ہمارے تصور کی قوت سے ماورا ہیں

اس کائنات کی حدوں کا نہ سوچ سکتے ہوئے کیا تم یہ کہہ سکتے ہو کہ یہ کنواں یا یہ کائنات خالی ہو سکتی ہے۔ ہرگز نہیں بلکہ اس میں بھی گلاس میں ہوا کی طرح کوئی شے ہے اور جس طرح اس گلاس میں یہ ہوا نہ تم نے بھری ہے اور نہ میں نے اسی طرح اس کائنات یا اس کنویں میں بھی کوئی شے کسی نے نہیں بھری بلکہ وہ اس میں ازل سے موجود ہے گلاس میں ہوا اس لئے موجود تھی کہ ہوا ہر کہیں ہے اسی طرح ہمارے ماحول میں اس کنویں یا اس کائنات میں بھی وہ شے اس لئے ہے کہ وہ ہر کہیں ہے یہاں تم ایک اور سوال کرسکتے ہو اور وہ یہ کہ اس کائنات کی دیواریں کہاں ہیں تو اس کا جواب بھی اس شیشے کے شفاف گلاس میں ہے جس میں ہم جو چیز بھی ڈالیں گے ہمیں وہ ہو بہو اسی طرح اور اسی رنگ کی نظر آئے گی جیسی وہ ہے اور ہمیں یہ احساس بھی نہ ہوگا کہ ہم کسی دیوار کے پار دیکھ رہے ہیں اور جسطرح کسی شفاف دیوار سے پار کا منظر ہمیں اسی طرح حسین نظر آتا ہے۔ جیسا کہ وہ ہے اور ہمیں یہ احساس بھی نہیں ہوتا کہ یہ ہماری نظروں اور اس نظارے کے درمیان ایک دیوار ہے اسی طرح کائنات کی یہ دیواریں موجود ضرور ہیں مگر وہ شفاف ہونے کے باعث ہمیں نظر نہیں آتیں اور چونکہ وہ کسی لامحدود فاصلے پر موجود ہیں۔ اس لئے ہم انہیں چھو نہیں سکتے اور ہمیں یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ ہم دیوار کے پار دیکھ رہے ہیں یا دیوار کے اندر۔

بس یہی ماجرہ کائنات کے ازلی مادے کا ہے کہ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا اور اسے کسی نے تخلیق نہیں کیا پھر وہ سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے بولا کہ کیا تم کسی ایسی چیز کا تصور کرسکتے ہو جو ممکن ہی نہ ہو کیا تم یہ تصور کرسکتے ہو کہ اس کائنات میں کچھ نہیں تھا خالی تھی بالکل خالی نہ اس کی دیواریں تھیں اور نہ اس میں کوئی مادہ اور اگر فرض کرو کہ تم ایسی کسی شے کا تصور کر ہی لیتے ہو کہ جو کچھ نہیں تو پھر یہ بتاؤ کہ اگر یہ کچھ نہیں جس کا تصور تم کرتے ہو تو پھر اس میں کوئی وجود کیسے رہ سکتا ہے اور خدا کے ماننے والوں کے بقول خدا ازل سے ہے اور اگر کچھ نہیں تھا تو پھر کچھ کیسے تھا اور وہ کچھ خدا کیسے بن گیا ہو سکتا ہے کہ اب تم یہاں یہ کہو کہ ممکن ہے کہ وہ اولین مادہ جو ازل سے ہے وہی خدا ہو! مگر اس کی تردید تو خود خدا کو ماننے والے کرتے ہیں کہ خدا کا مادی وجود ممکن ہی نہیں میں یہاں فوراً" بولا کہ! مگر کوئی مادی چیز خدا کی صفات کا سرچشمہ تو بن سکتی ہے یہ بات سن کر وہ فوراً" بولا کہ!

یہ تو پھر یہ بات ہوئی کہ ازل سے پہلے بھی کچھ ازل تھا جو ممکن نہیں۔

پھر وہ بات اسی جگہ سے دوبارہ شروع کرتا ہوا بولا کہ! جس چیز کی تردید خود خدا کو ماننے

والے کرتے ہیں میرے لئے اس بات کی کچھ بھی اہمیت نہیں اور اس کے بعد وہ خاموش ہوگیا!

کچھ دیر اس کی باتوں پر غور کرنے کے بعد میں اس سے پھر مخاطب ہوا کہ! مگر اس ازلی مادے سے کائنات کیسے معرض وجود میں آئی!

وہ ایک دم سے بولا!

ہاں یہ تو بتانا میں بھول ہی گیا تھا! اور وہ یوں شروع ہوا کہ!

ہر چیز کسی خاص ماحول میں رہتی ہے اس ازلی مادے کا بھی ایک خاص ماحول تھا مادے سے باہر جو چیز بھی تھی اس کا ماحول تھی اور وہ جو چیز کوئی دوسری چیز نہیں تھی بلکہ مادے کے گرد کی خلاء تھی جس میں وہ مادہ پرورش پارہا تھا اور جس طرح کوئی چیز مسلسل پڑی رہنے سے دوسری شکل اختیار کرنا شروع کردیتی ہے مثلاً" اگر کوئی کھانے کی چیز مسلسل پڑی رہے تو اس پر الی لگنی شروع ہوجاتی ہے یہی ماجرہ اس ازلی مادہ سے ہوا مسلسل پڑے رہنے سے اس کی صورت بدلنی شروع ہوگئی اور اس تبدیلی نے اس کے گرد کے ماحول کو آلودہ کرنا شروع کیا اور پھر یہ آلودگی بھی اس مادے پر اثر انداز ہوئی اور یوں اس مادے نے اپنے وجود سے باہر ارتقاء کا آغاز کیا اس مادے کی آلودگی جس طرح سے اس مادے پر اثر انداز ہورہی تھی اس کے باعث اس مادے نے ٹوٹنا شروع کردیا اور توڑ پھوڑ کے اسی عمل نے آخر کار زمین چاند سورج اور ستاروں وغیرہ کو تخلیق کیا۔ مادے کی اس تقسیم کے بعد مادے کے ہر ٹکڑے نے اپنے طور پر ارتقاء کا آغاز کیا ہماری زمین بھی ایک ٹکڑے کی صورت علیحدہ ہوئی اس لئے جہاں اس ٹکڑے نے اپنے طور پر ارتقاء جاری رکھا وہاں اس ٹکڑے کے گرد کے ماحول نے اس پر بڑی تبدیلیاں پیدا کیں۔ ہماری زمین اپنے دوسرے ٹکڑوں سے کچھ ایسے مناسب فاصلوں پر تھی کہ ان ٹوٹے ہوئے ٹکڑوں مثلاً" سورج وغیرہ نے اس پر ایسے اثرات مرتب کئے کہ یہاں مختلف کیفیوں نے جنہیں ہم موسم کہتے ہیں جنم لیا اور ان موسموں میں ایسا تناسب تھا کہ جس کے باعث ساکت زندگی کا ظہور ہوا۔ اس زندگی کا آغاز سب سے پہلے غیر حیوانی صورتوں میں ہوا پھر اس زمین پر ایسا ماحول بنا کہ جس کے باعث متحرک زندگی نے جنم لیا اور اسی متحرک زندگی کے ارتقاء کے ایک خاص مقام پر انسان نے جنم لیا اور انسان کی تخلیق اس ارتقاء کا سب سے بڑا حادثہ تھا اور اس اک تخلیق نے بے شمار تخلیقات کیں۔

جس طرح ازلی مادے نے اپنے ارتقاء سے کائنات اور اس کی اشیاء تخلیق کیں اسی طرح پھر انسان نے اپنی سوچ اور فکر کے ارتقاء سے کائنات میں نت نئی اشیاء پیدا کیں جو آج ہمارے

سامنے ہیں اور وہ پھر خاموش ہوگیا۔

میں اب اس سے گویا ہوا کہ!

تم یہ کہتے ہو کہ نہ خدا ہے نہ اس نے یہ کائنات بنائی نہ انسان کو بنایا تمہارے بقول اس کا وجود سرے سے ہے ہی نہیں تو پھر مجھے یہ بتاؤ کہ خدا کا وہم کیوں شروع ہوا جو چیز ہے ہی نہیں تو اس کا خیال کیوں آئے؟

وہ کہنے لگا!

اصل میں اس بات کا جواب میں تمہیں پہلے ہی دے چکا ہوں مگر میں تمہیں واضح طور پر اس کے متعلق بتاتا ہوں! اور پھر وہ کہنے لگا کہ!

انسانی زندگی کا آغاز ہونے سے لے کر اسکے ذہن میں پہلا سوال پیدا ہونے تک انسان کے نزدیک خدا کا کوئی وجود نہیں تھا مگر جب انسان کے ذہن میں پہلا سوال پیدا ہوا کہ یہ کائنات کیا ہے؟

تب ہی خدا کے نرم و نازک وجود نے انسان کے ذہن میں غیر شعوری طور پر جنم لیا اور انسان کو کائنات کا جو سب سے پہلا علم ہوا وہ یہ تھا کہ وہ کچھ نہیں جانتا! اور اسی لاعلمی نے خدا کے تصور کو انسان کے ذہن میں پختہ تر کردیا۔

انسان کے ذہن کو سب سے پہلے کائنات کی لامحدود وسعتوں نے جھنجھوڑا تھا کیونکہ اس سے انسان اپنی لاعلمی کی شکست کا اعتراف کرچکا تھا اس لئے کائنات کی وسعتیں انسانی ذہن کو تسخیر کرتی چلی گئیں۔ اس لئے اب انسان مسلسل کائنات کی ماہیت پر غور کرنے لگا لیکن جب کائنات کو اپنی ذہنی و جسمانی پہنچ سے باہر محسوس کیا تو تب اس نے ایک مافوق الفطرت قوت کو خدا کے روپ میں جنم دیا جس کا مقصد سوائے اپنی تشفی کے کچھ بھی نہ تھا اور یہ تشفی کیا تھی کہ ایک ایسی قوت ہم پر حاوی ہے جس نے چاند ستارے رات دن پہاڑ سمندر ندیاں نالے دریا زمین اور ہمارے سمیت کائنات کی ہر چیز بنائی ہے اس لئے ہمیں اس کی اطاعت قبول کرلینی چاہیئے کہ اس کی فرمانبرداری میں ہی ہماری بقاء ہے کہ ہم مکمل طور پر اس کی تحویل و زد میں ہیں اور اس طرح انسان نے خدا کو ایک کامل قوت کے روپ میں جنم دیا۔ خود کو اسکی غلامی میں دے دیا لیکن یہاں ایک اور مسئلہ پیدا ہوگیا اور وہ یہ کہ کائنات کی کون سی چیز سب سے زیادہ طاقتور ہے جسے ہم خدا جان کر اسے اپنی وفاداری کا یقین دلا سکیں اور پھر یہیں سے عبادات کا سلسلہ بھی شروع ہوگیا لیکن اس سے پہلے مختلف خطوں میں بٹے ہوئے مختلف انسانوں کے گروہوں نے اپنی اپنی محدود عقل کے فلسفے کے

مطابق خدا کا اک وجود مان لیا کسی نے سورج کو خدا جانا۔ کسی نے سانپ کو کسی نے بتوں کو کسی نے سمندر کو اور کسی نے نہ دیکھی جانے والی چیز کو خدا قرار دے دیا!

یہ تمام عمل خود خدا کی عدم موجودگی کو ظاہر کرتا ہے۔ کیونکہ اگر واقعی خدا ہوتا تو تمام انسانوں پر اس کی حقیقت ایک سی آشکار ہوتی یہ رنگا رنگ خدا خالصتاً" ذہنی اختراع کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ یہ وہ دور تھا جب انسان کا وضع کردہ سب سے پہلا نظریہ جسے میں نظریہ وہم کہتا ہوں نے ایک عالمگیر حوالے کے تحت مختلف صورتوں میں انسانی ذہن پر قبضہ کرکے انسانی صلاحیتوں کو کچلنے کی کوشش کی لیکن انسان کی سرشت میں تجسس اور تکبر تھا وہ اس شکست کو زیادہ دیر تک برداشت نہیں کرسکتا تھا اور آخر اس نے ایک عظیم جنگ کا آغاز اپنی ذہنی صلاحیتوں کو زیادہ سے زیادہ استعمال کرکے کیا اور ہزاروں سال کی اسی عظیم انسانی جدوجہد کا نتیجہ آج ہمارے سامنے ہے آج انسان کائنات کی تخلیق کا سبب جانتا ہے آج وہ اس نظریے کے ہر چیلنج کا جواب دے رہا ہے آج اس کا ذہن خدا کے تعصب سے آزاد ہوتا جارہا ہے وہ نت نئی اشیاء بنا رہا ہے اور میں تمہیں یہ بھی بتاتا چلوں کہ اس دوران کے تمام واقعات عالم اور تاریخ اسی عظیم انسانی جنگ کا حصہ ہیں اور مجھے یقین ہے کہ عنقریب انسان اس نظریہ وہم کو باطل قرار دے کر اپنی عظیم فتح کا اعلان کردے گا۔ انسان یقیناً" عظیم ہے!

اور یہ کہہ کر وہ خاموش ہوگیا اس کے چہرے پر خوشی کی لہریں بکھر رہی تھیں جیسے وہ اس عظیم انسانی فتح کا اک سپہ سالار ہو وہ اپنی بات مکمل کرچکا تھا اور میں اس بات کا جائزہ لے رہا تھا کہ کیا اسنے خدا پر عدم موجودگی کے دلائل کے حوالے سے اپنی بات مکمل کرلی ہے کہ نہیں میں کافی دیر انہیں امکانات کا جائزہ لیتا رہا اور جب میں نے یہ سمجھ لیا کہ یہ اپنی بات مکمل کرچکا ہے تو میں اس سے یوں گویا ہوا کہ!

تیرے دلائل گو کہ بہت مضبوط ہیں مگر میں انہیں کسی بھی مذہبی حوالے سے نہیں جھٹلاؤں گا کہ ایسا کرنے سے تو انہیں تسلیم نہ کرے گا اور دوسرا یہ کہ وہ دلائل کسی خاص مذہبی حوالے سے ہوں گے جو دوسرے مذاہب کے لئے قابل قبول نہیں اور مجھے خدا کی اک عالمگیر حقیقت کی تلاش ہے!

جو لوگ خدا کو مانتے ہیں میں نے ان سے خدا کی صفات کی وحدت کے حوالے سے بات کی تھی کہ اس طرح خدا کی اک عالمگیر اکائی سامنے آسکے اور تو جو کہ سرے سے خدا ہی کا منکر ہے اس لئے تجھ سے میری باتیں خدائی وجود کے حوالے سے ہوں گی جس کا ہرگز مقصد لازماً" خدا کو ثابت کرنا نہیں بلکہ خدا کے تصور کے گرد ابہام کو ختم کرنا ہے! درحقیقت

مجھے اب یہ جاننے کی جستجو ہے کہ آیا خدا کے تصور کے گرد انسانی خیالات کی گرد پڑی ہے یا یہ کہ عدم کے گرد دھند ہے جس میں کچھ بھی نہیں دراصل میں پہلے ہی سے کسی خدائی تعصب کا شکار نہیں کہ میں نے لازماً خدا کو ثابت کرنا ہے بلکہ میں تو خدا کی تلاش میں ہوں۔ جس میں میں نے خدا کے ہونے نہ ہونے کے اندیشوں کو ذہن میں محفوظ کر رکھا ہے اور میرے نزدیک یہی سب سے عمدہ تحقیق کا عمل ہے کہ انسان ہونے اور نہ ہونے کے اندیشوں کے درمیان غیر جانبدار رہ کر کسی بھی چیز کی تحقیق کرے اور ہماری ذہنی پسماندگی کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ہم جس چیز پر اڑ جائیں چاہے وہ وہم ہو یا حقیقت ہم اسے ثابت کرنا ہی اپنی زندگی اور موت سمجھ لیتے ہیں اور یہی عمل ہماری ذہنی پروازوں کو منجمد کر دیتا ہے اور مجھے اس عمل سے نفرت ہے اس لئے میں جو بھی بات کروں گا وہ تمہاری ہی کہی ہوئی باتوں مین سے ہوگی جن کا مطلب ہرگز خدا کے وجود کو ثابت کرنا نہیں بلکہ ان چند باتوں کی وضاحت ہے جو غلط فہمی بھی ہوسکتی ہیں اور جنہیں میں بنیاد بنا کر از سر نو خدا کی تلاش سرگرداں بھی ہو سکتا ہوں!

اور پھر کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد میں اس سے کہنے لگا کہ!

تم نے خدا کی عدم موجودگی پر پہلی دلیل اس کی صفات میں تضاد کی دی ہے اس میں اہم بات یہ ہے کہ ممکن ہے کہ تم جن صفات کے تضاد سے خدا کے منکر ہوگئے ہو اس کے باوجود خدا کا اک وجود ہو کیونکہ ہم میں سے آج تک کسی نے خدا کو نہیں دیکھا بلکہ اس کی صفات سنی ہیں تو کیا یہ ممکن نہیں کہ خدا کو فقط صفات کا سرچشمہ کہنے میں مذہبی تعصب شامل ہو خدا کے وجود میں کشش پیدا کر کے لوگوں کو اپنے مذاہب کی طرف راغب کرنے کی سازش ہو اور اسی طرح خدا کو ایک زبردست قوت کہنے سے لوگوں کو ایک مرکز کے تحت جمع کرنے کے تقاضے ہوں۔ یہ سب اندیشے خارج از امکان نہیں۔ دنیا کے تمام مذاہب نے خدا کو اک نئے انداز سے پیش کیا ہے لیکن سب کا مقصد ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ خدا کو اک ایسی زبردست قوت ثابت کیا جائے جس کے خوف سے لوگ ایک ہی طرز زندگی پر مائل ہوسکیں۔ اس کے باوجود خدا کے ہونے کے امکانات بالکل ویسے ہی موجود ہیں جیسے کہ ایک ان دیکھے ہوئے آدمی کے متعلق ہم ایک رائے قائم کرلیں اور جو صحیح اور غلط ضابطوں سے آزاد ہو کیونکہ اس رائے کے صحیح یا غلط کچھ بھی ہونے پر بہر طور اس آدمی کا اک وجود ضرور ہوگا تصور میں ہم اس کا اک ڈھانچہ یقیناً بنائیں گے کیونکہ ہم نے اور بہت سے انسانوں کو دیکھا ہے لیکن ہم اس کی شکل و صورت نہیں بنا سکتے کیونکہ ہر آدمی کی اپنی ایک

الگ شکل و صورت ہوتی ہے جوان دیکھے ہوئے کچھ بھی ہو سکتی ہے اور خدا جو فقط اک وجود ہے اور جسے ہم نے کبھی نہیں دیکھا اور نہ اس جیسا کوئی دیکھا ہے اس لئے ہم خدا کا کوئی ڈھانچہ اور شکل و صورت کچھ بھی نہیں بتا سکتے۔ اس لئے خدا کے وجود پر امکان کی تمام راہیں کھلی ہیں کیونکہ خدا ہمارے ذہن میں کسی خاص شکل کا پابند نہیں کہ اگر یہ اس شکل کا نہ ہوا تو پھر ہوگا ہی نہیں جس طرح ایک آدمی کا ہونا اس کے آدمی کے بنیادی ڈھانچے کے بغیر ممکن نہیں اس لئے خدا ایک نور سے لے کر ایک پتھر تک کچھ بھی ہو سکتا ہے!

پھر تم نے خدا کی عدم موجودگی پر دلائل میں خدا اور شیطان کی جو کہانی سنائی ہے تو مجھے یہ بتاؤ کہ جب تمہارا خدا اور شیطان پر یقین ہی نہیں تو پھر یہ کہانی خدا کی عدم موجودگی پر دلیل کیسے بن سکتی ہے!

وہ فوراً" بولا!

یہ کہانی تو میں نے خدا کو ماننے والوں کے حوالے سے کی تھی! میں نے کہا! یوں ہی سہی لیکن عدم پر امکان کی بات کرنا بھی تو عدم کا حقیقت کی طرف سفر ہوتا ہے اور پھر میں کچھ لمحے خاموش رہنے کے بعد اس سے پھر بولا کہ!

اور پھر یہ بات بھی بعید از امکان نہیں کہ خدا نے کائنات کو خود ہی تخلیق کیا ہو کہ جس طرح کسی بھی عمل کی اہمیت اس کے متضاد عمل سے پہچانی جاتی ہے جیسے آدمی کے پختہ کردار کی اہمیت کا اندازہ اسی وقت ہوتا ہے جب اسے بدکرداری کے مواقع ملے ہوں! اور شیطان کی تخلیق کائنات کی تخلیق کے لئے اسی طرح ضروری تھی جیسے کسی افسانے میں کرداروں کی تخلیق کہ جس کی وجہ سے کوئی کہانی تشکیل پاتی ہے۔ کائنات بھی اک افسانہ ہے اور اس کی ہر چیز اس کے کردار جس طرح کسی کھیل میں ایک ہار جاتا ہے اور ایک جیت جاتا ہے تو ہارنے والے کے لئے یہ منطق نہیں ہوتی یا وہ یہ نہیں سوچتا کہ ہار کا وجود ہی کیوں تھا کیونکہ کھیل کی اہمیت ہی ہار اور جیت کے نتائج سے بنتی ہے اور کھیل انسان کا تخلیق کردہ ایک ڈرامہ ہے اور اگر انسان کا یہ ڈرامہ متضاد عوامل کے بغیر بے کار اور بے سود ہے تو خدا جیسا خالق اپنے اس ڈرامے کو بے سود کیسے کہہ سکتا تھا شیطان کا کردار اتنا ہی ضروری تھا جتنا کہ خدا کا اپنا وجود کہ اس کائنات کی تمام دلچسپیاں شیطان کی تخلیق کے بعد ہی شروع ہوئیں ہیں شیطان سے پہلے بھی کائنات اور خدا تھا مگر اس وقت کائنات میں کوئی رعنائی نہ تھی اور خدا اور شیطان کا قصہ لیبارٹری اور اس میں کام کرتے ہوئے ایک سائنس دان کی طرح ہے جیسے سائنس دان کوئی مشینی پرزہ بنانے کے بعد اس کی صلاحیت جانچنے کے

لئے اسے مختلف مراحل سے گزارنا ہے کہ اس کی حقیقی صلاحیت کا اندازہ لگایا جاسکے اور جو پرزے معیار پر پورے نہیں اترتے انہیں رد کردیا جاتا ہے اور جو معیار پر پورے اتریں وہی آئندہ کے لئے قابل قبول ہوتے ہیں اسی طرح خدا اک سائنسدان ہے اس کے پرزے ہم اور یہ دنیا اک لیبارٹری مگر اس لیبارٹری کی تشکیل میں شیطانیت کا مادہ استعمال کیا گیا ہے تاکہ پرزوں کی صحیح جانچ پڑتال ہوسکے۔

تم نے جو پیدائشی حادثوں کی بات کی ہے تو پہلا اختلاف تو یہ کہ جب تم خدا کو مانتے ہی نہیں تو پھر پیدائشی حادثوں کا ذمہ دار خدا کیونکر ٹھہرتا ہے۔ پھر میں کچھ دیر اسکی طرف معنی خیز نظروں سے اس کی طرف دیکھتا رہا جیسے اس سے اپنے سوال کا جواب مانگ رہا ہوں اور آخر میں خود ہی بولا!

خدا دراصل سب بندوں کا ہے کسی خاص مذہب کا نہیں اس لئے خدا اپنے بندوں سے ایک ہی طریقے سے پیش آتا ہے اس کے لئے کوئی مذہب اہمیت رکھتا ہے یا کہ نہیں یہ بعد کا مسئلہ ہے لیکن یہ لازم ہے کہ خدا سب کا ہے مذہبوں کی تشکیل خاص حالات اور واقعات کے تحت ہوئی ہے اس لئے ان کی بحث میں خدا کے وجود کی اہمیت نہیں کھو دینی چاہئے کہ خدا نے پہلے اپنی مخلوق کو تخلیق کیا تھا اور بعد میں مذہبوں کا ظہور ہوا تھا اور انسان کے پیدائشی حادثات کی اہمیت تب ہوتی جب خدا نے مذاہب کو پہلے تخلیق کیا ہوتا اور انسان کو بعد میں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ خدا نے انسان کی تخلیق صرف اپنی مخلوق کے ناطے سے کی تھی۔

تم نے ابتداء میں جو خدا کو ماننے کا جواز دیا ہے کہ آدمی نے اپنی لاعلمی کے باعث خدا کو کسی قوت کے روپ میں تخلیق کیا لیکن یہ کیوں ہوا؟ اس دور میں جبکہ انسان نے سوچنے کا بھی باقاعدہ طور پر آغاز نہیں کیا تھا گویا اس دور میں انسان کی پہلی خالص سوچ کا آغاز ہوا کے بعد میں تو انسان علت اور سبب کے رشتوں کو جاننے لگا تھا اسلئے اس کی سوچ میں کئی بیرونی عناصر بھی شامل ہوگئے تھے لہٰذا وہ پہلا سوال جو خالص ترین سوچ کا غماز تھا اس نے آخر خدا ہی کے متعلق کیوں سوچا جبکہ خدا سمجھنے کے حوالے سے ایک پیچیدہ ترین عمل ہے اور اس وقت انسان کی سوچ خام ترین تھی اور یہ ایک انتہائی غور طلب مسئلہ ہے کہ ایک خام ترین صورت نے پیچیدہ ترین سوچ کا آغاز کیسے کیا اس کا مطلب تو یہ ہے کہ اس وقت انسان کی سوچ سب سے زیادہ اپنے سے بالا کسی قوت سے متاثر ہوئی تھی جس کے باعث انسان نے سوچنا شروع کیا اور ہم جانتے ہیں کہ آج انسان جس مقام پہ بھی ہے وہ اس کی

سوچ کے سفر کا کرشمہ ہے لہٰذا یہاں ہم اس قوت کو نظر انداز نہیں کر سکتے جس نے سوچ کے آغاز پر انسان کو مجبور کر دیا اور اس قوت کو بلاشبہ ہم خدا کہہ سکتے ہیں جس نے انسان کو تخلیق کرنے کے بعد اسے سوچ کی دولت سے نوازا کہ آسمان دریا سمندر پہاڑ چاند تارے اور ہر چیز انسان کی سوچ کا محرک تھے انسان کی سوچ نہ تھے اور یہ چیزیں انسان کی تخلیق سے بہت پہلے بن چکی تھیں اس کا مقصد یہ ہوا کہ کسی نے باقاعدہ ایک پروگرام کے تحت پہلے یہ سب چیزیں بنائیں پھر انسان کو بنایا اور پھر ان چیزوں کے مرہون انسان کو سوچ کی راہ دکھائی! اور پھر تم نے جو کائنات کے علوم پر انسان کی دسترس کا ذکر کیا وہ بلاشبہ قابل تحسین ہے مگر ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ انسان اب تک کائنات کے آدھے راز بھی نہیں سلجھا سکا اور انسان نے ان آدھے سے کم رازوں کو سلجھانے میں ہزاروں برس بیتا دیئے اور باقی رازوں کی سلجھانے میں کتنا عرصہ لگے یہ کسی کو علم نہیں اور پھر یہ بھی لازم نہیں کہ انسان تمام علوم کو جان ہی لے تمام رازوں کو سلجھالے کہ انسان کائنات کے کئی رازوں کے حل سے معذوری کا اظہار کر چکا ہے۔ مثلاً" ابھی تک وہ ستاروں اور پہاڑوں کی صحیح تعداد بھی معلوم نہیں کر سکا کائنات کی تخلیق کی ابتداء پر ابھی تک وہ مفروضات سے کام لے رہا ہے خود اپنی تخلیق کے متعلق کبھی وہ نظریہ آدم اور کبھی نظریہ ارتقاء پیش کرتا ہے انسان اب تک اپنی زندگی کے متعلق بھی حتماً" آج تک کچھ نہیں جانتا کبھی وہ انسان زندگی کو روح کے پر اسرار فلسفے سے تعبیر کرتا ہے تو کبھی خلیات کی اجزائے ترکیبی کہتا ہے! انسان کی کئی بیماریاں ایسی ہیں جو اب تک انسان سے پوشیدہ ہیں انسان نے اب تک جتنی بھی چیزیں بنائی ہیں ان سب کے بننے کا مواد کائنات ہی سے ملتا ہے اور انسان کی بنائی چیزیں بے جان اور مردہ ہیں انسان انہیں جتنا بنا دیتا ہے وہ اتنی ہی رہتی ہیں وہ خود نہ بن سکتی ہیں نہ بڑھ سکتی ہیں نہ سکڑ سکتی ہیں جبکہ خدا کی بنائی ہوئی چیزوں کی بنیادی خوبی ان میں جان ہے یعنی وہ چیزیں بنتی سکڑتی اور پھیلتی رہتی ہیں۔ یہ تو ممکن ہے کہ انسان کسی پھل کی نقل بنا لے لیکن اصلی پھل یعنی پھل کی وہ خوبیاں جن سے پھل ایک خاص شکل پاتا ہے وہ اس میں کبھی نہیں آسکتیں باوجود اس کے کہ انسان یہ جان چکا ہے کہ سیب میں فولاد ہوتا ہے لیکن وہ عام فولاد سے بڑے بڑے کارخانے تو بنا سکتا ہے مگر ایک چھوٹا سا سیب نہیں اسی طرح انسان اور بے شمار چیزوں کی حقیقت کو نہیں جان سکا دراصل انسان نے آج تک جو کچھ بھی بنایا ہے اس نے اپنے طریقے اور کسی موجود مادے سے بنایا ہے جبکہ خدا نے آج تک سب چیزیں اپنے تخلیق کردہ مادے سے بنائی ہیں!

خدا نے ایک نہ دیکھے جانے والے کیڑے کو بھی محسوسات اور حرکت کی قوت بخشی ہے جبکہ انسان ان قوتوں کی عطا سے محروم ہے یہ سب باتیں اس بات کی غمازی نہیں کرتیں کہ انسان نے ایسا کرنے کی کوشش نہیں کی بلکہ یہ حقیقت ہے کہ انسان اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود ایسا کر نہیں سکا اور یہ سب باتیں اس چیز کی دلیل ہیں کہ انسان بہت کچھ کرنے کے باوجود بہت کچھ نہیں کر سکا اور جو کچھ انسان نہیں کر سکا وہ لازم ہے کہ کسی اور نے کیا ہے اور وہ جس نے کیا ہے وہ یقیناً" ہم سے زیادہ قوت والا ہے اور وہ قوت کسی بھی روپ میں ہم سے ہمارے سامنے خدا ہے کہ خدا تو درحقیقت اس اعلیٰ قوت کو دیا ہوا ہمارا اک نام ہے اور اس کے بعد میں کچھ دیر کے لئے خاموش ہوگیا۔

اور چند ساعتیں خاموش رہنے کے بعد میں اس سے پھر گویا ہوا کہ: اور تم نے جو کائنات کی تخلیق اور اولین ارتقاء کا سبب وہ لامحدود مادہ بتایا ہے جو کائنات میں ازل سے موجود ہے اب یہاں جو سب سے بڑا مسئلہ پیدا ہو رہا ہے وہ یہ ہے کہ وہ مادہ جو اولین ارتقاء کا محرک بنا وہ کائنات میں ازل سے کیسے موجود تھا جبکہ تم نے کہا کہ کائنات کی تشکیل و تخلیق اسی مادے سے ہوئی اور پھر یہی مادہ کائنات میں ازل سے موجود بھی تھا یعنی یہ بات یوں ہوئی کہ کسی برتن میں کوئی چیز ہمیشہ سے موجود تھی اب اس کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ وہ برتن اس چیز کے ساتھ ہی کائنات اور مادہ اکٹھے تخلیق ہوئے یا بنے تو اس کا مطلب ہے کہ ازل مادہ نہیں تھا بلکہ کائنات اور مادہ دونوں تھے تو پھر یہ ماننا پڑے گا کہ کائنات ارتقائی مدارج طے کرنے کے بغیر بنی ہے اور یہ یوں ہی ازل سے ہے اور چونکہ کائنات ایک خاص شکل رکھتی ہے اس لئے لازم ہے کہ اس مادہ کا کوئی صانع ہوگا اور تم جسے ازلی مادہ کہہ رہے ہو وہ صناع گری کا ایک جزو ہے چونکہ اس ازلی مادے کی تمہارے نزدیک کوئی خاص شکل نہ تھی تو لازم ہے کہ پھر یہ مادہ اس کائنات کا ہی جزو ہوگا اور اگر ہم یہ مان لیں کہ اس ازلی مادے نے ہی کائنات کو تخلیق کیا تو پھر مجھے یہ بتاؤ کہ یہ مادہ کہاں موجود تھا کیونکہ تم نے اپنی باتوں میں جن شفاف اور نہ سوچی جانے والی دیواروں کی بات کی ہے یا یوں کہ تم نے جس کنویں کی بات کی ہے جس میں یہ مادہ ازل سے موجود تھا۔ درحقیقت وہ کنواں یا وہ دیواریں ایک حد ہیں جو کائنات کہلا سکتی ہے اور دوسرا یہ کہ اگر ان دیواروں یا اس کنویں کو اگر ہم مان ہی لیتے ہیں تو پھر لازم ہے کہ ہمیں یہ بھی ماننا پڑے گا کہ اس لامحدود کو کوئی چیز کوئی دیوار محدود کر رہی ہے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ مادہ لامحدود نہیں لہٰذا اس حوالے سے تم خود ہی اپنی بات کی تردید کر دیتے ہو! اور تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر ہم مادہ اور کائنات کی

حقیقت کو علیحدہ علیحدہ تسلیم کرلیں تو پھر یہ مفروضہ غلط ثابت ہوگا کہ کائنات کی تخلیق ایک ارتقاء کے باعث ہوئی تھی اور پھر یہ کہ یہ مادہ فالتو تھا جس نے کچھ بھی نہیں کیا اور پھر تم نے جو کہا ہے کہ کچھ نہیں کا تصور ممکن نہیں اور اگر اس کا تصور ممکن ہے تو پھر اس کچھ نہیں میں خدا کیسے رہ سکتا ہے اس سلسلے میں میں تم سے یہ کہوں گا کہ جس طرح کچھ نہیں کا تصور ممکن نہیں تو اسی طرح اس کا بھی تصور ممکن نہیں کہ کوئی چیز خود بخود ہو جائے کسی بھی چیز کے ہونے کے کچھ محرکات ہوتے ہیں تم نے اس ازلی مادے میں اولین تحریک کا سبب اس کا ماحول قرار دیا کہ جس طرح ایک چیز مسلسل پڑی رہنے سے ایک نئی شکل اختیار کرلیتی ہے تو وہ ماحول بھی خود ساختہ ممکن نہیں بلکہ یہ ہواؤں کے گرم یا سرد ہونے کے باعث ہے۔ جیسا کہ تم نے کہا کہ کوئی چیز مسلسل پڑی رہنے سے خراب ہو جاتی ہے اگر اسی چیز کو کسی سرد مقام پر رکھ دیا جائے تو وہ خراب نہیں ہوتی اس کا مطلب یہ ہوا کہ کوئی چیز خود بخود کچھ نہیں بن جاتی بلکہ اس کے اردگرد کے یا اس کے اندر کے محرکات اس میں تبدیلی کا جواز بنتے ہیں اور تم نے یہ بھی کہا کہ کائنات کے ازلی مادے میں تحریک اس کے ماحول کے باعث شروع ہوئی اب یہاں بھی پرانا مسئلہ ہی پیدا ہو جاتا ہے کہ آیا اس ازلی مادے کا وہ ماحول کیسے تخلیق ہوا جس نے اس مادے کو تحریک دی اب اگر تم یہ کہو کہ وہ خاص ماحول مادے کے مسلسل پڑے رہنے سے بن گیا تو یہ قابل قبول نہیں کہ وہ ماحول آخر کیوں کر تخلیق ہوگیا جبکہ اس ماحول سے پہلے کوئی ماحول نہ تھا اور مادے میں کوئی تحریک نہ تھی اس طریقہ سے ہم پر یہ واضح ہوتا ہے کہ وہ ازلی مادہ تو اپنے اندر کوئی تحریک رکھتا تھا۔ اور یہ تحریک بغیر سبب کے ممکن نہیں یا یہ کہ یہ ازلی مادہ ازلی نہیں تھا اور اسے کسی قوت نے بے جان صورت میں تخلیق کیا اور پھر اس میں تحریک پیدا کرکے اس سے مختلف اشیاء کو تخلیق کیا اور تم یہ جو کہتے ہو کہ اس ازلی مادے نے اپنے ارتقاء میں جو سب سے بڑی تخلیق کی وہ انسان ہے تو میں یہ بھی ماننے سے منکر ہوں کہ اگر اس مادے نے انسان کو تخلیق کیا ہے تو پھر یہ بھی لازم ہے کہ اس مادے میں انسان جیسی بنیادی خصوصیات مثلاً سوچ فکر اور عقل بھی ہوگی جو اس نے اپنے ارتقائی سفر میں انسان کو سونپ دیں یا انسان میں منتقل ہوگئیں جو کسی طور پر بھی قابل قبول نہیں کہ اگر ایسا ہوتا تو وہ ایجادات جو آج انسان کر رہا ہے وہ ایجادات وہ ازلی مادہ بغیر انسانی شکل کے ہی کرچکا ہوتا۔

یہ کہہ کر میں کافی دیر خاموش رہا اور پھر یک لخت یوں بولا کہ!

تم نے خود کہا کہ عنقریب ایسا موقع آئے گا کہ جب انسان اس نظریہ وہم کو باطل قرار

دے گا جس کا مطلب ہوا کہ تم اس بات کے معترف ہو کہ ابھی انسان نے اس نظریہ وہم کو باطل قرار نہیں دیا گویا تم خدا کو ابھی تک وہم کی چھوٹی ترین شکل میں مانتے ہو کیونکہ اب تک تمہارے ذہن کے کسی گوشے میں ایک چنگاڑی ضرور سلگ رہی ہوگی کہ کہیں کبھی خدا کا وجود اس صورت میں ظاہر نہ ہو جائے کہ جب انسان اس نظریہ وہم کو غلط نہ قرار دے سکے اور تمہیں یہ ماننا پڑے گا کہ ایک کام جو چاہے کتنا ہی یقینی کیوں نہ ہو جب تک ہو نہ جائے وہ اپنے دامن میں ہاں اور نہیں کے دونوں پہلو چھپائے رکھتا ہے جو نہ مانی ہوئی بات کو بھی ماننے کی کمزور ترین صورت ہوتی ہے؟

وہ ایک طویل خاموشی کے بعد اچانک یوں گویا ہوا کہ ! ماننے کی یہ صورت میں نے اپنے لئے نہیں بلکہ دوسروں کے لئے اخذ کی تھی!

میں بولا!

مگر اس سے بات کی حقیقت میں کوئی فرق نہیں پڑے گا مگر یہاں مجھے تم سے ایک اور بڑا اختلاف ہے اور وہ یہ کہ تم نے کہا کہ خدا کا اولین ظہور انسان کی کم عقل کے باعث ہوا کہ وہ اپنے ذہن کو سکون میں رکھنا چاہتا تھا اور اسی لئے اس نے خدا کی قوت کو تخلیق کیا یہی صورت حال خدا کو نہ ماننے کی بھی نہیں ہے کہ جب تم نے خدا کی بتائی گئی یا سنی گئی صفات اور حقیقت میں تضاد دیکھا تو یہ تضاد تمہارے موروثی عقیدے سے ٹکرایا اور تمہارا ذہن بھی انتشار کا شکار ہوگیا اور تم نے اس سے نجات کے لئے بہت مطالعہ کیا بہت کوششیں کیں لیکن ہمت ہار بیٹھے اور اس طرح تم خدا کے وجود سے منکر ہوگئے ابتدائی انسان نے عقل کی کمی کی وجہ سے خدا کے وجود کو تخلیق کیا اور تمہاری عقلی زیادتی نے خدا کے وجود کو عدم قرار دے دیا جبکہ حقیقت میں دیکھا جائے تو ان دونوں میں کچھ بھی فرق نہیں کہ یہ دونوں نظریات انتہا پسندی کی پیدلواد ہیں جبکہ حقیقت ان دونوں صورتوں کے درمیان پوشیدہ ہے۔ یہ دونوں نظریات ذاتی تشفی کی پیداوار ہیں مجھے خدا کے وجود اور عدم وجود کے ان دونوں نظریات سے اختلاف ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں بھی خدا کے وجود سے منکر ہوگیا ہوں نہیں ایسا نہیں کہ میں اب تک شاید خدا کو اس لئے مانتاہوں کہ میرے ماں باپ اور میرے اردگرد کے ماحول نے اب تک مجھے ایسا کرنے پر مجبور کیا ہے اس لئے خدا کے حوالے سے تمام ثبوت اور باتیں دراصل میرے کسی نظریہ پر یعنی خدا کے وجود اور عدم وجود پر دلالت نہیں کرتیں بلکہ میں انہی باتوں کی حقیقت تلاش کرنا چاہتا ہوں جو مجھے موروثی عقیدے کی صورت میں ملیں ہیں لیکن میری سوچ اور میرا مشاہدہ بعینہ میرے موروثی

عقیدے پر پورا نہیں اترتا اس لئے میں نے اپنے موروثی عقیدے کو بنیاد بنا کر خدا کی تلاش شروع کی ہوئی ہے لیکن میں نے خدا کی یہ تلاش اس کے وجود کے حوالے کی بجائے اس کی صفات کے حوالے سے شروع کی ہوئی ہے۔ تاکہ خدا کو مادی اور غیر مادی کے فرسودہ فلسفے کی بجائے اس کی ان صفات میں ڈھونڈا جائے جنہیں جان کر ہم اسے خدا مانتے ہیں۔

یہ کہہ کر چند ساعتیں خاموش رہنے کے بعد میں نے ایک آہ سی بھری اور اس سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا! اور خدا کے وجود پر دلالت کے سلسلے میں میری آخری بات میرے نزدیک بڑی اہمیت رکھتی ہے اور وہ بات یہ ہے کہ انسان کے اخذ کردہ تمام فلسفے میں اشیاء کی تخلیق میں ہستی اور نیستی کے فلسفے کو بڑی اہمیت حاصل ہے جس کے تحت تمام فلاسفر اور سائنس دان اس چیز پر متفق ہیں کہ جو چیز اب ہے یا کبھی تھی یا کبھی ہوگی یہ سب اس لئے ہے کہ ایسا سب ہونے کے امکانات تھے اور ہیں جس کے باعث کوئی چیز کسی خاص وقت میں ہم پر ظاہر ہوجاتی ہے کسی چیز کا کسی خاص وقت پر ظاہر ہونا کوئی معجزہ یا جادو نہیں ہے بلکہ یہ اس کی ہستی یعنی اس کام کے ہونے کے امکانات کی دلیل ہے اور جو چیز نہ اب ہے نہ کبھی تھی نہ کبھی ہوگی اس کا مطلب ہے کہ اس کے ہونے کے امکانات موجود نہیں ہیں نہ تھے اور یہ بھی سچ ہے کہ ہستی اور نیستی ساتھ ساتھ چلتی ہیں لہٰذا اگر ہم کہیں کہ خدا نیستی ہے تو اس کے ساتھ ہستی بھی لازم ہوگی اور اگر خدا ہستی ہے تو گو کہ نیستی کا فلسفہ بھی اس کے ساتھ ہے مگر اس کو ہمارا ہستی کہنا بھی تو خالی از معنی نہیں ان دونوں حوالوں سے خدا کی اک حقیقت بنتی ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ جو چیز صدیوں سے زیر بحث ہو اولا" تو وہ ہستی ہے اور اگر ہستی نہیں تو وہ کسی بھی صورت نیستی نہیں اور ان دونوں صورتوں میں وہ ہستی کے قریب تر ہے اور اگر تم یہ کہو کہ خدا کا وجود اب نہیں ہے تو پھر کہا جاسکتا ہے کہ تم ہی اسے کسی وقت میں ضرور مان لو گے کہ جب تم پر تمہارے حوالے سے اس کی حقیقت آشکار ہوجائے کیونکہ ہر انسان کی زندگی میں ایک لمحہ ایسا ضرور آتا ہے جب وہ کسی حادثے یا واقعے کے سامنے خود کو بے بس و لاچار محسوس کرتا ہے اور وہ لمحہ جب وہ یہ سوچتا ہے کہ یہ سب کیسے ہوا' اور حقیقت اسے کسی خود سے بالا قوت کے سپرد کرکے خود کو اس کی اطاعت میں دے دیتا ہے!

یہ کہہ کر میں مکمل طور پر خاموش ہوگیا میرے مدمقابل کا شخص کسی انتہائی گہری سوچ میں غرق تھا۔ میں بھی کافی دیر خاموش رہا اور سوچتا رہا کہ کوئی بات خدا کی دلالت کے سلسلے میں مجھ سے رہ تو نہیں گئی دونوں طرف کی طویل خاموشی کے بعد آخر میں نے ہی اس

خاموشی کے سکوت کو توڑا اور بولا کہ!

اے بندے! میں نے خدا کے وجود پر اپنی سوچ کے تمام پہلو واضح کر دیئے اور اب تو بتا کہ کیا تو میری ان دلیلوں کو رد کر سکتا ہے؟

بول اے بندے کہ تیری باتیں میری تمام باتوں کا حاصل بھی ہو سکتی ہیں اور میں بھی آج سے تیری صف میں شامل ہو سکتا ہوں۔

ان الفاظ کے بعد میں خاموش ہو گیا اور اس کے چہرے پہ اپنی نگاہیں ٹھہرا دیں کہ جیسے اس کے ہونٹ ہلنے کا انتظار ہو چند لمحے یونہی میں اس کے چہرے پر نظریں جمائے بیٹھا رہا میں نے اس کے چہرے پر پڑھ لیا تھا کہ وہ کسی انتہائی گہری سوچ میں غرق ہے اسے سوچ کے عمل سے گزرتا ہوا دیکھ کر میری نظریں بے ساختہ اس کے چہرے سے پھسلتی گئیں اور زمین پر ٹھہر گئیں اور میں بھی جیسے سوچنے لگا میں سوچ رہا تھا کہ یہ میرے سوالوں کا کیا جواب دے سکتا ہے اور میں خود بھی اپنے دلائل میں ممکنہ تردید ڈھونڈنے لگا۔ اور ایک مسلسل طویل خاموشی کے بعد جب میں خود سے دلالت کرتے کرتے تھک گیا اور خود سے کوئی کامل تردیدی دلیل نہ پاکر آخر میں نے ہی اس خاموشی کے طلسم کو توڑا اور اس سے یوں گویا ہوا کہ!

اے بندے!

کیا تو مجھے بتا سکے گا کہ ان دلائل کی روشنی میں جو میں نے دیئے ہیں خدا کا عدم ممکن ہے۔ میرا یہ سوال سن کر بھی وہ خاموش ہی رہا مگر اب کے یہ خاموشی طویل نہ تھی بلکہ وہ میرا سوال سننے کے چند لمحوں بعد مجھ سے یوں گویا ہوا۔

تم نے جو بھی باتیں کی ہیں وہ اب تک میرے ذہن پر کچھ اس بری طرح مسلط ہیں کہ میں انہی کے چنگل سے آزاد نہ ہو کر ابھی تک تمہاری باتوں کے تردیدی پہلو کو نہیں ڈھونڈ سکا یا یوں کہ اب تک ان پر سوچ ہی نہیں سکا۔

میں فوراً" مگر حیران کن انداز سے بولا کہ!

تو گویا تم خدا کے وجود کے قائل ہو گئے ہو یعنی تمہارے نزدیک خدا عدم نہیں۔ وہ فوراً" بولا کہ!

نہیں ایسا نہیں کہ میں خدا کی وجودیت کا قائل ہو گیا ہوں! اور پھر چند ساعتوں کے وقفے کے بعد بڑے شکست خوردہ انداز سے بولا کہ! ہاں البتہ اتنا ضرور ہے کہ مجھے خدا کے عدم پر پھر سے دقیق مطالعے اور گہرے مشاہدے کی ضرورت ہوگی اور اتنے الفاظ کہہ چکنے

ے بعد میری طرف عجیب سی نظروں سے دیکھنے لگا جیسے مجھے اپنی شکست کا گلہ کر رہا ہو۔ میں اسے عجیب سی نظروں سے دیکھنے لگا جیسے مجھے اس سب منظر کا یقین نہ آ رہا ہو نظروں کے اس ٹکراؤ کا یہ تسلسل اس وقت ٹوٹا جب وہ میرے سامنے سے بڑی آہستگی سے اٹھا اور سر جھکائے ایک طرف کو چل دیا۔

اس کو یوں شکست خوردہ حالت میں جاتے دیکھ کر میری عجب سی حالت ہونے لگی کہ اس کی اس شکست میں میری فتح نہ تھی کہ میں پھر سے اس دوراہے پہ کھڑا تھا کہ خدا ہے کہ نہیں اور اگر ہے تو کس وحدت میں جیسے جیسے وہ میری نظروں سے دور جا رہا تھا میرے ذہن میں پھر سے وہی سوال ابھر رہے تھے اور میرے چہرے کے بگڑتے تیور میرے اندر کے ماحول کی عکاسی کر رہے تھے آخر وہ میری نظروں سے اوجھل ہو گیا اور میں اپنا سوال لئے وہیں کا وہیں حیرت کی گلیوں میں ویران کھڑا رہا نجانے میری یہ حالت کب تک رہتی کہ ایکدم سے میرے ذہن کے اندھیروں میں یہ سوال طلوع ہوا کہ لیکن اس کی یہ شکست خدا کے وجود کی بھی تو دلالت کرتی ہے' ذہن میں جیسے ہی یہ سوال بنا میرے چہرے کا ماحول بدلنے لگا حیرت کی شکنیں خوشی کی لہروں سے چمکنے لگیں اور میں یک لخت چیخا کہ خدا ہے اور میں خوشی سے پاگل ہونے لگا میرا جسم تھرتھرانے لگا جیسے رقص کر رہا ہو! اور میں مسلسل چیخ رہا تھا کہ خدا ہے! خوشی میں ناچتے ناچتے میں ایک دم فرش پر گر گیا جس نے میری وجدان آفرین کیفیتوں کے تسلسل کو توڑ دیا اور میں کچھ دیر یوں بے خود فرش پر پڑا رہا کہ جیسے سوچ کی کوئی بھی تار مجھے نہ چھیڑ رہی ہو!

بے خود' بے سود اور جیسے وقت کی قید سے آزاد یا شاید خوشی کے انمول لمحوں میں وقت کے احساس سے محروم یونہی پڑا رہا میرا ذہن خالی تھا اور ذہن سے جیسے سوچوں کا انخلاء شروع ہو گیا تھا۔ یہ کیفیت جانے کتنی دیر تک رہی لیکن میں نے اس وقت پھر سے خود کو وقت کی قید میں محسوس کیا جب میرے ذہن سے سوچیں خارج ہوتے ہوتے تھم گئیں کیا میں واقعی خدا کو پا چکا ہوں!

"کیا خدا کا وجود عدم نہیں ——— یہ مانا جا سکتا ہے۔!؟"

کیا اس سے آگے خدا ثابت ہو جاتا ہے۔؟

ان سوالات نے پھر سے مجھے جھنجھوڑا میرے ٹھہرے ہوئے خیالوں کے طلسم کو توڑا میرے انمول لمحوں کا دور تھم گیا اور جیسے میں پھر سے وقت کی قید میں آ گیا! میں نے پھر سے اپنی سوچوں میں تغیر محسوس کیا۔

میں اپنے انہی سوالوں کا جواب چاہتا تھا مگر ان کا جواب میں خود سے چاہتا تھا کہ لوگوں سے جانتے جانتے میں تھک چکا تھا اور پھر اب میں اپنے برسوں پرانے سوال کے جواب کے آخری موڑ پر پہنچ چکا تھا! میں وہاں سے اٹھا اور انہی سوچوں میں گم ایک نامعلوم سمت کی طرف بڑھنے لگا؛ ذہن میں پھر سے سوچیں منتشر تھیں اور چلتے چلتے میں ایک جنگل میں جا پہنچا اور میں استغراق کی کیفیت میں گم ایک درخت کے نیچے جا بیٹھا۔ یہ بھوک کیوں ہے؟ یہ تقدیر اور محنت کا تضاد کیا ہے؟ اور یہ خدا کے رنگا رنگ تصورات کیسے ہیں؟ یہ وہ بنیادی سوالات تھے جو ابھی تک خدا کے تصور کو مکمل طور پر واضح نہ ہونے دے رہے تھے!

میں اسی جنگل میں ایک درخت کے نیچے بیٹھا ان سوالات پر غور و فکر کرتا رہا میں دنیا و مافیہا سے بے خبر اپنی سوچوں کے جنگل میں گھرا اپنے حال میں گم وقت کے گھوڑے پر سوار فکر کی آزاد راہوں پر چلا جارہا تھا جانے مجھے اس حال میں کتنا عرصہ گزر گیا اس کا مجھے اندازہ نہیں مگر اس تمام عرصے میں میری حالت یکسر بدل چکی تھی میرے ریش اپنا رنگ بدل چکے تھے میرا وجود اپنی زندگی کے لئے آخری قوتیں صرف کررہا تھا میری نظر میرے وجود کی حد سے بہت پرے تک دیکھنے سے محروم ہوچکی تھی لیکن صرف ایک چیز مجھے خود میں پہلے سے مضبوط محسوس ہورہی تھی اور وہ تھی میری سوچ اور فکر کی صلاحیت جو مجھے تصورات کے آئینے میں ایک نیا جہان دکھا رہی تھی فکر نئے زاویوں میں ڈھل رہی تھی سوچ تغیر کے دھاروں میں بہہ رہی تھی! تصور اور خیالات کے دائرے جیسے بن بن کے ٹوٹ رہے تھے! آخر ایک دن وہ دن جو عام دنوں ہی کی طرح مجھ سے وابستہ ہوا۔ مگر بچھڑتے بچھڑتے مجھے ایک راہ دکھا گیا میں اس درخت کے نیچے سے اٹھا اور جنگل سے پھر شہر کی طرف چل دیا کہ مجھے جنگل کی تنہائیوں نے پھر سے لوگوں سے وابستگی کا احساس دلایا اور میں پھر سے لوگوں سے اکتایا ہوا لوگوں میں واپس لوٹا تو میں نے دیکھا کہ لوگوں کا ایک ہجوم ایک فرد کے گرد گھیرا ڈالے تھا میں لوگوں کے ہجوم سے پرے ایک کونے میں دبک کے بیٹھ گیا میرا بوڑھا وجود ایک فالتو گٹھڑی کی طرح لوگوں کی توجہ سے محروم تھا میں نے دیکھا کہ لوگوں کا ہجوم ختم ہورہا ہے اور رفتہ رفتہ سب لوگ چلے گئے جب سب لوگ چلے گئے تو میں نے دیکھا ایک شخص آہستہ آہستہ میری طرف بڑھ رہا ہے اور وہ میرے بالکل قریب آکر کھڑا ہوگیا اور مجھے غور سے دیکھنے لگا وہ شخص بھی میری ہی عمر کا ہوگا مگر مجھ سے صحت مند اور سڈول جسم کا مالک تھا وہ آہستہ سے میری

طرف جھکا اور مجھے میرے کاندھوں سے پکڑ کر اٹھاتے ہوئے بولا!

کیا تم وہی نہیں جو خدا کی تلاش میں سرگرداں تھے؟

یہ سنتے ہی مجھ پہ جیسے کپکپی طاری ہوگئی اور میں لرزتے ہوئے بولا!

ہاں میں وہی ہوں!

یہ سننے کے بعد اس نے مجھ سے دوسرا سوال یہ کیا کہ! مجھے پہچانتے ہو! میں اسے کافی دیر غور سے دیکھتا رہا مگر میری نظروں اور ذہن میں رابطہ پیدا نہ ہو رہا تھا وہ یہ بات سمجھتے ہوئے بولا!

میں وہی انقلابی ہوں جو تم سے چند برس پہلے ایک گاؤں میں ملا تھ اور تم نے جس سے خدا کے بارے میں پوچھا تھا۔

میں ایک دم سے **ٹھٹھکا** اور اپنی آنکھوں کی پوری کشادگی سے اسے دیکھنے لگا ہاں وہ وہی انقلابی تھا اور مجھے اسے پہچانتے ہی میرے ذہن میں اسکے یہ الفاظ گونجنے لگے کہ تجھے خدا کی تلاش مقصود ہے اور مجھے نظام دنیا کی تبدیلی دیکھیں کہ ہم میں پہلے کون کامیاب ہوتا ہے۔ بہر طور یہ یقینی ہے کہ ہم میں سے ایک کی بھی کامیابی دوسرے کی کامیابی بن سکتی ہے!

جونہی یہ الفاظ میرے ذہن میں ابھرے تو میں نے ساتھ ہی اس کے بازوؤں کو اپنے ہاتھوں کی پوری مضبوطی سے پکڑ لیا اور میں تقریباً" چیختے ہوئے بولا! مجھے بتاؤ کہ کیا تم یہ فرسودہ اور استحصال زدہ نظام بدلنے میں کامیاب ہوگئے ہو؟

ابھی بتاتا ہوں آؤ پہلے ہم کہیں آرام سے بیٹھ جائیں اور یہ کہہ وہ مجھے ایک عام سے مکان میں لے گیا اور کچھ دیر ستانے کے بعد اس نے اپنی بات کو کچھ اس انداز سے شروع کیا کہ۔

خدا اک سچائی ہے ایک ایسی سچائی جس نے ازل اور ابد کو بنایا اور خود ان قیود سے آزاد رہا اور سچائی ایک پاکیزگی ہے ایسی پاکیزگی جو نجاستوں سے بہت دور اور بلند رہتی ہے اور جب تو نے مجھ سے خدا کی وحدت دریافت کرنا چاہی تھی تو میں نے تجھ سے اس آلودہ ماحول کی بات کی تھی جس کے خلاف جنگ کو میں نے اپنی زندگی کا مقصد بتایا تھا اور میں نے تجھ سے یہ بھی کہا تھا کہ اگر ہم نجاست سے آلودہ ماحول سے اس زمین کو پاک کردیں گے تو پھر ہمیں خدا کو کہیں ڈھونڈنے کی ضرورت نہ رہے گی بلکہ ہم تب خدا کو ہر کہیں پائیں گے۔

میں بڑی بے چینی سے بولا! تو کیا تمہیں اس میں کامیابی ہوئی!

وہ بولا!

ہاں مجھے اس میں بہت کامیابی ہوئی میں نے دن رات محنت کی ہزاروں ستم برداشت

کیے مگر اپنا راستہ نہیں چھوڑا کیونکہ مجھے احساس تھا کہ میرا راستہ انسانیت کی فلاح کو جاتا ہے اور خدا حقیقی انسانیت میں ہر دم جلوہ نما رہتا ہے اور یاد رکھو انسان کا سب سے بڑا دوست خدا ہے خدا کو انسان سے عشق ہے اور جہاں انسان انسانیت کے سانچے میں مکمل اتر جاتا ہے تو تب وہ حقیقت میں خدا کی ذات میں داخل ہوجاتا ہے اور درحقیقت میں بھی اسی راستے خدا سے ملنا چاہتا تھا سو میں انسانوں سے وابستہ ہوگیا کہ انہیں انسانیت کے سانچے میں ڈھال سکوں میں نے اور میرے ساتھیوں نے بے پناہ مصائب سہے اس لئے کہ انسان کو ظلم، استحصال اور ننگ بھوک کے خلاف لڑنے کا حوصلہ بخش سکیں کہ ان چیزوں کے خاتمے کے بعد ہی ہم انسانیت کی کوئی بات کرسکتے ہیں اور انسانیت کی بات ہی درحقیقت خدا کی ذات ہے اور جب ہم نے انسانوں سے ان کے مسائل کی بات کی اور جب انہیں بتایا کہ یہ ذلت جو وہ ظالم سامراج کے ہاتھوں ایمان کے چند ٹکوں میں خریدنے والے سرمایہ داروں اور زمین کے ٹکڑے کرتے جاگیرداروں سے خرید رہے یہ ذات ان کی نہیں یہ ذات انسان کی ہے اور خدا جو انسان کا عاشق ہے کیا وہ یہ برداشت کرے گا کہ اس کا معشوق ذلت کی گہرائیوں میں غرق ہوجائے اور جب ان کچلے ہوئے استحصالی انسانوں کو اپنی ذات کا شعور حاصل ہوا تو وہ اپنے حقوق کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور اس جنگ میں ڈٹ گئے وہ جنگ جو انسانی سامراج کے جھوٹے خدا اور حقیقی خدا کے درمیان تھی آخر سچائی کو فتح حاصل ہوئی کہ سچائی ہمیشہ باطل پر غالب آجاتی ہے اور ہم یہاں انقلاب لے آئے طبقات ختم ہوگئے ساری زمین جڑ گئی اور انسان کی کھوئی ہوئی قدر اسے مل گئی اور میں جب یہ دیکھتا ہوں کہ جس زمین پر انسان سسکتا اور روتا تھا روٹی کے ٹکڑوں کے لئے لڑتا تھا اور بے قیمت مرجاتا تھا۔ اب اسی زمین پر جب میں انسان کو مسکراتے ہوئے دیکھتا ہوں اسے شب و روز محنت کرتے ہوئے دیکھتا ہوں اور اپنے حقوق کے لئے لڑتا ہوا دیکھتا ہوں تو ایسے لگتا ہے کہ انسان کی مسکراہٹوں سے خدا جھانک رہا ہے!

یاد رکھو کہ خدا تمام نیکیوں کا خالق ہے اور تمام برائیاں انسان کی پیدا کردہ ہیں اس لئے برائیوں کے خلاف جنگ درحقیقت ان مکروہ لوگوں کے خلاف جنگ ہے جنہوں نے اسے تخلیق کیا یا جو اس کے پیروکار ہیں اور جو حقیقت میں انسان نہیں بلکہ شیطان ہیں جنہوں نے اپنے بھیانک چہروں پر انسان کا خول چڑھایا ہوا ہے!

وہ انقلابی بولتے بولتے یک لخت رکا اور چند لمحوں بعد پھر بولا!

درحقیقت یہ انقلاب بھی اسی وقت ہم پر خدا کے عکس منکشف کرسکتا ہے جب یہ تمام

تر انسانی قدروں کے ساتھ بپا ہو جو انسانیت کے تمام پہلوؤں کو اپنے ساتھ بہالائے جو انسان کو اس کی عظمت لوٹا دے جو انسان کو اشرف المخلوقات کے سانچے میں ڈھال دے اور انسانی نظام میں کوئی بھی ایسی تبدیلی ہرگز انقلاب نہیں جو انسانیت کے کسی بھی پہلو کو تشنہ چھوڑ دے اور اگر ہم اسے انقلاب کا نام بھی دے دیں تو اس انقلاب میں ہرگز خدا کا عکس نظر نہ آئے گا۔ کہ انقلاب فقط خونریزی نہیں بلکہ سوچ اور فکر کا تغیر بھی ہے ایسی سوچ اور فکر جو مکمل طور پر انسانیت کی فلاح پر محیط ہو! جو انسانیت کے سینے میں خدا کے پاکیزہ نور کو دیکھے ایسی سوچ اور فکر جو انسان کی عظمت کو خدا کی وحدت میں مرکوز کردے!

یہ کہہ کر وہ کچھ دیر کے لئے خاموش ہوگیا اور پھر کچھ عجب سے انداز سے میری طرف دیکھتے ہوئے بولا! تمہیں خدا کی تلاش میں اور مجھے نظام کی تبدیلی میں تقریباً" ایک جتنا عرصہ ہوگیا ہے مگر تمہیں اتنی کامیابی نہیں ہوئی جتنی مجھے ہوئی ہے اس کی وجہ یہ نہیں کہ تمہاری نیت میں خلوص نہیں تھا یا تم سچائی کی تلاش میں نہ تھے ہوسکتا ہے کہ تم میں یہ چیزیں مجھ سے زیادہ ہوں مگر ہمارے عمل میں فرق تھا اور وہ فرق یہ تھا کہ تم لوگوں سے کچھ جاننا چاہتے تھے تم تمام لوگوں سے نہیں بلکہ کسی ایک فرد سے حقیقت کے سراغ کے متلاشی تھے تم اس لئے لوگوں سے ملتے تھے کہ کوئی تو حقیقت جانتا ہوگا جبکہ تمہارے نزدیک اس بات کا شائبہ تک نہ تھا کہ تمام لوگ سچے ہوسکتے ہیں تم اپنا اطمینان چاہتے تھے اور جہاں تمہارا اطمینان ہوجاتا وہاں تم خدا کی تلاش چھوڑ دیتے تم لوگوں میں سچائی کو ڈھونڈ رہے تھے مگر اس یقین سے کہ لوگ سچے نہیں کیونکہ اگر تمہارا ایمان انسانوں سے وابستہ ہوتا تو تم ان کی باتوں میں منطق نہیں ڈھونڈتے جبکہ میں اپنے عمل کے ذریعے انسانوں کو کچھ دینا چاہتا تھا سوچ عمل اور بیداری کہ مجھے یقین تھا کہ لوگ سچائی کا ساتھ ضرور دیں گے اور جب میں نے انہیں سچائی کا راستہ دکھایا تو وہ میرے ساتھ چل پڑے کہ میرا ساتھ درحقیقت ان کے حقوق اور ان کی عظمت کی جدوجہد تھی اس لئے جب لوگ میرے ساتھ چلے اور میں ان سے قطعی طور پر وابستہ ہوگیا تو ہم سب کو فتح نصیب ہوئی ہم بہت بڑی فتح کی طرف چل نکلے اور وہ فتح نظام کی تبدیلی ہے اور ہمارے عمل کے تضاد نے مجھے لوگوں کے ہجوم میں لا کھڑا کیا اور تم جنگلوں کے باسی بن گئے تنہا اور اکیلے۔

وہ اب ذرا کچھ بلند آواز سے بولا!

یاد رکھو دنیا کی تمام سچائیاں انسان سے وابستہ ہیں سچائی انسانوں سے ماورا نہیں ہوسکتی کہ انسان ہی ہے جو کائنات کی سچائیوں کو ڈھونڈتا اور انہیں متعارف کرواتا ہے میں مانتا

ہوں کہ برائیاں بھی انسانوں میں ہی جنم لیتی اور پروان چڑھتی ہیں مگر وہ انسان انسانیت کا زخم ہیں کہ انسانیت تو تمام تر پاکیزگیوں اور سچائیوں کا سرچشمہ ہے اور انسانیت ہی خدا کا اولین مسکن ہے کہ خدا نے اپنی پہچان کے لئے انسان کو پیدا کیا ہے اور اس کی پہچان کوئی برائی نہیں بلکہ تمام سچائیاں اور تمام پاکیزگیاں ہیں اس لئے جو لوگ برائی کے ساتھ ہیں وہ انسانیت کے زمرے میں نہیں آتے کہ انسانیت تو خدا کی پہچان ہے اور یہ بھی یاد رکھو کہ مجبوری مفلسی اور بیماری میں سچائی اور برائی کا کوئی تصور نہیں رہ جاتا کہ یہ چیزیں انسان اور انسانیت کے تصور کو ختم کردیتی ہیں سب سے پہلے ان کے خلاف جنگ ضروری ہے ان کے خاتمے کے بعد ہی ہم انسانیت کا تصور کرسکتے ہیں اور انسانیت کے تصور کے بعد بھی اگر برائی رہ جائے تو اس برائی کے پجاری قابل معاف نہیں اور اس کے بعد وہ خاموش ہوگیا۔

اب دونوں طرف خاموشی تھی میں سوچ رہا تھا کہ اس نے کس خوب صورتی سے خدا اور انسان کو ملا دیا ہے اس نے انسان کی عظمت میں خدا کے عکس ڈھونڈے ہیں اس نے خدا کی پہچان انسانیت کی تکمیل میں بتائی ہے اور پھر کچھ ویران باتوں پر غور کرنے کے بعد میں نے بھی یہ سمجھ لیا کہ اس کی باتوں میں انتہاء کی منطق ہے جس کی صداقت صرف اتنی سی بات سے عیاں ہوجاتی ہے کہ انسانیت نے خدا کے روپ کو کسی نہ کسی رنگ میں ضرور پہچانا ہے میں جتنے بھی لوگوں سے آج تک ملا ہوں وہ سب خدا کو کسی نہ کسی رنگ میں ضرور مانتے تھے گویا خدا کا عدم انسان کے بس میں نہیں اور اگر خدا کا عدم کسی کے بس میں نہیں تو پھر یہ لازم ہے کہ خدا نے انسان کی تخلیق میں اپنی پہچان کا ہنر اس کے خمیر میں گوندھ دیا ہے! یقیناً" انسان اور خدا کا رشتہ اٹوٹ ہے۔

یہ سب باتیں سوچنے کے بعد میں پھر اس سے اپنی لرزتی ہوئی آواز میں گویا ہوا!! میں نے جان لیا کہ خدا اور انسان ایک دوسرے سے پیوستہ ہیں خدا کے تصور کے بغیر انسان کا چارہ نہیں اور انسان کے بنا خدا کی پہچان کم از کم انسانوں میں ممکن نہیں مگر اے شخص مجھے ابھی بھی تین باتوں کے جواب درکار ہیں اگر تو ان کا جواب دے سکا تو شاید ممکن ہے کہ میں بھی تیری طرح کامیاب ہوجاؤں!

میرا پہلا سوال تجھ سے یہ ہے کہ مجھے یہ بتا کہ خدا کا انسان سے رزق کا وعدہ کیا ہے دنیا میں یہ بھوک کیوں ہے؟۔"

اس نے بڑے تحمل سے میری طرف دیکھا اور ایک ساعت توقف کے بعد کہنے لگا کہ! بھوک خدا کی طرف سے ہرگز نہیں بلکہ یہ انسان کی غیر منصفانہ تقسیم کے باعث پیدا ہوئی

ہے کیونکہ یہاں اناج اور غلہ خریدا اور بیچا جاتا ہے اور اس خرید اور بیچ کے عمل سے گزرنے کے لئے آدمی کو دولت کا سہارا لینا پڑتا ہے اور دولت استحصال زدہ لوگوں تک نہیں پہنچنے دی جاتی جس کے باعث دولت کی اس غیر منصفانہ تقسیم کی وجہ سے بھوک جنم لیتی ہے ورنہ اگر تم دنیا کے افراد اور دنیا میں پیدا ہونے والے اناج اور غلے میں توازن دیکھو تو تم پر یہ بات واضح ہوگی کہ دنیا میں کل انسانوں کی ضرورت سے زیادہ اناج اور غلہ پیدا ہوتا ہے اور چونکہ یہاں اناج اور غلہ دولت کے باعث ممکن ہے اس لئے جن لوگوں کے پاس دولت ہے وہ اپنی ضرورت سے زیادہ اناج اور غلہ خرید لیتے ہیں اور جن کے پاس پیسہ نہیں وہ اپنی ضرورت کے لئے بھی غلہ یا اناج نہیں خرید سکتے اور دولت کی اس غیر منصفانہ تقسیم سے انسان کی تمام محرومیاں تعبیر ہیں اور مجھے یقین ہے کہ یہ غلہ اور اناج اگر تمام دنیا میں بغیر قیمت کے دیا جانے لگے تو دنیا کا کوئی شخص بھوکا نہیں رہ سکتا۔!

لہٰذا میرا اس بات پہ کامل یقین ہے کہ بھوک خدا کی طرف سے نہیں بلکہ انسان کے غلط نظام کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے اور جب تک یہ استحصالی نظام نہیں بدلا جاتا تب تک بھوک ختم نہیں ہوسکتی اور اس کے بعد وہ خاموش ہوگیا۔

میں بھی کچھ دیر خاموش رہا اور جواب کی ماہیت پر غور کرنے کے بعد میں نے اس سے دوسرا سوال کیا کہ!

مجھے تقدیر اور محنت کے تضاد اور ہم آہنگی کے متعلق بتا؟

وہ بولا! تقدیر ریل کی پٹڑی کی طرح ہے جس پہ ہمارے مقدر کی گاڑی دوڑے چلی جارہی ہے محنت وہ کانٹا ہے جسے زور لگا کر ہم اس گاڑی کا راستہ بدل سکتے ہیں اور اس گاڑی کو جدھر چاہے لے جاسکتے ہیں بعض دفعہ محنت کا یہ کانٹا تقدیر کی پٹڑی پر بھاگتی ہوئی ہماری مقدر کی گاڑی کو گمنامیوں اور محرومیوں کے جنگل میں جانے سے روک کر ہمیں شہرتوں اور عظمتوں کے شہر میں لے آتا ہے لیکن اس کے لئے شرط ہے کہ کانٹا صحیح سمت کو موڑا گیا ہو! اور اگر یہی کانٹا غلط سمت کو موڑ دیا جائے تو ہم تقدیر کی پٹڑی سے اتر کر گہری کھائیوں میں گر جاتے ہیں۔ درحقیقت محنت اور قسمت کی پٹڑیاں ساتھ ساتھ چلتی ہیں اور راستے میں کہیں کہیں موڑ آتے ہیں جہاں انسان اپنے لئے اچھا یا برا راستہ اپنا سکتا ہے ہمارے مقدر کی گاڑی چونکہ تقدیر کے سٹیشن سے چلتی ہے اسلیئے اکثر لوگ تمام عمر اسی راستے پر چلتے رہتے ہیں اور اپنی تمام توانائیاں اپنے مقدر کی گاڑی کو تقدیر کی پٹڑی پر چلانے میں صرف کر دیتے ہیں۔ ان میں سے اکثر لوگوں کا راستہ طے شدہ ہوتا ہے اور وہ اس میں کوئی بھی تغیر

پسند نہیں کرتے اور اس نے سنده راستے کو ہم موروثیت کہتے ہیں جیسا کہ اکثر عام زندگی میں دیکھا جاتا ہے کہ باپ جس پیشے کو اپناتا ہے بیٹا بھی وہی کرتا ہے اور جس طرح پہلے زمانے میں اور آج بھی کہیں بادشاہ کا بیٹا بھی بادشاہ ہی بنتا ہے حالانکہ بادشاہ کے بیٹے کو بادشاہ بننے کے لئے کوئی محنت نہیں کرنا پڑی اسی طرح کچھ لوگ تقدیر کے سٹیشن سے گاڑی کے چھوٹتے ہی بہت جلد اپنے آپ کو محنت کی پٹڑی پر ڈال لیتے ہیں اور زندگی کے کسی موڑ پر کسی مقام پر پہنچ جاتے ہیں اور یہ مقام ان کا اپنا پیدا کردہ ہوتا ہے اور درحقیقت یہی لوگ عظیم ہوتے ہیں ہم اپنی عام زندگی میں بعض دفعہ دیکھتے ہیں کہ ایک چرواہے کا بیٹا صدر بن گیا یا کسی چھوٹے عہدے والے آدمی کی اولاد کسی عظیم منصب تک پہنچ گئی لیکن عظیم وہی لوگ ہوتے ہیں جو ذہن اور جسم دونوں سے محنت کرتے ہیں دراصل اس ساری بات کا میرے نزدیک یہ خلاصہ ہے کہ تقدیر خدا کی طرف سے انسان کو عطا کی ہوئی وراثت ہے اور محنت انسان کی صفات میں اول ترین حیثیت ہے اور جس طرح ایک باپ ورثے میں اپنی اولاد کو دولت تو دے دیتا ہے لیکن اس دولت کو استعمال کرنا انسان کے بس میں ہے کہ وہ اسے اجاڑ دے یا بنا دے اسی طرح تقدیر ایک قوت تو ہے مگر اسے سنوارنا یا بگاڑنا انسان کے بس میں ہے۔

کچھ دیر توقف کے بعد میں نے سر اٹھایا اور اس سے بڑی آہستگی سے بولا!

اے شخص میرا تجھ سے آخری سوال یہ ہے کہ اگر خدا اور انسان کا رشتہ اٹوٹ ہے تو مجھے پھر یہ بتا کہ خدا کے یہ رنگارنگ تصورات کیوں ہیں۔؟

وہ بولا: خدا کے رنگا رنگ تصورات درحقیقت انسان کی لاچارگی کو واضح کرتے ہیں کہ خدا کو یا ایک ایسی قوت کو جو انسانی قوت سے ماورا ہے کو ماننے بغیر انسان کا چارہ نہیں خدا کے رنگا رنگ تصورات خدا کو عدم ثابت نہیں کرتے بلکہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خدا کسی نہ کسی رنگ میں انسان کے ذہنی گوشوں میں موجود ہے۔ پھر وہ کچھ دیر توقف کے بعد کہنے لگا کہ میں تمہیں ایک واقع سناتا ہوں۔

ایک دفعہ ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ اگر میں تم سے یہ کہوں کہ خدا بہت بڑا ہے آسمانوں پر رہتا ہے وہ جو چاہے کر سکتا ہے اس نے انسانوں کو بنایا مگر انسان سے بہت افضل ہے تو کیا وہ تمہارے لئے قابل قبول ہوگا۔ دوسرا شخص کہنے لگا ہرگز نہیں۔

پہلا شخص بولا: اور اگر میں یہ کہوں کہ خدا زمین و آسمان کا نور ہے تو پھر!

دوسرا شخص بولا!

ہاں یہ تصور میرے لئے قابل قبول ہو گا۔

میرے کہنے سے مراد یہ ہے کہ کوئی بھی شخص ایک ایسی قوت کے تصور اور عمل دخل سے آزاد نہیں جو اس سے ماوراء ہو! اور اس قوت کو ماننے کا کوئی بھی انداز درحقیقت اس قوت کے ہونے کی طرف اشارہ کرتا ہے خدا کے تمام رنگارنگ تصورات میں صرف قوت ہی ایسی وحدت ہے جو ان سب تصورات کا مرکز ہے۔

اب وہ بھی خاموش تھا اور میں بھی لیکن میں اس کے آخری لفظوں پر غور کر رہا تھا کہ!

خدا کے تمام رنگا رنگ تصورات میں صرف قوت ہی ایسی وحدت ہے جو ان سب تصورات کا مرکز ہے -!

اس کے ان لفظوں میں میری عمر بھر کی بیاض تھی خدا اور خدا کی وحدت اس کی باتوں میں مجھے جیسے ان دونوں کے سراغ مل رہے تھے ابھی میں ان لفظوں کی گہرائی میں ہی گم تھا کہ وہ پھر گویا ہوا کہ!

خدا وہ ذات ہے جس نے ایک باقاعدہ منصوبے کے تحت کائنات کو بنایا اور انسان کی تخلیق سے پہلے تک کائنات کی ہر چیز کو انسان سے وابستہ کر دیا پھر اس کائنات میں انسان کی عظمت کے رموز پنہاں کر کے انسان کو تخلیق کیا۔

پھر انسان کو عقل عطا کی کہ وہ ان رموز کو سمجھ کر انسانیت کی معراج تک پہنچ سکے اور جب خدا نے دیکھا کہ وہ انسان کو اس حد تک کامل کر چکا ہے کہ جس سے اسے اپنی ذات کی آگہی حاصل ہو جائے تو اس نے انسان کو خود مختار کر دیا کہ وہ اسے پرکھ سکے اس کی سوچ اور عمل کے زاویوں کو جان سکے کہ خدا جسے انسان سے عشق ہے اس سے محبت ہے وہ یہ جاننا چاہتا تھا کہ وہ انسان جسے میں نے اپنی تمام تر محبتوں سے تخلیق کیا ہے کیا وہ بھی مجھ سے محبت کرتا ہے بالکل اس عاشق کی طرح جو اپنے معشوق کی وفا کو پرکھتا رہتا ہے! مختلف طریقوں اور مختلف زاویوں سے اسی لئے اب خدا نے انسان کو اس کے افعال میں آزاد کر رکھا ہے اور اس کے معاملات میں دخل نہیں دیتا اسی لئے تو یہاں برائی زندہ ہے اگر خدا اس تمام انسانی نظام میں شریک ہوتا تو یقیناً" یہاں برائی نہ ہوتی انسان اپنے تمام افعال میں آزاد ہے اور یہ دنیا کے تمام مذاہب درّاصل انسانوں کو خدا سے محبت کی ترغیب دیتے ہیں کہ انسان کسی طور خدا کے عشق کے معیار پر پورا اتر سکے اور اس کے لئے وہ مختلف طریقے بتاتے ہیں لیکن تمام مذاہب اچھائی کی تعلیم دیتے ہیں کوئی مذہب برائی کی راہبری نہیں کرتا۔

یہ تمام مذاہب درحقیقت انسانیت کا درس دیتے ہیں اور خدا سے محبت کیا ہے خدا سے محبت

اگر عبادت ہوتی تو پھر خدا کے نزدیک سب سے پسندیدہ مخلوق فرشتے ہوتے جو ہر دم خدا کی عبادت کرتے رہتے ہیں عبادت اصل میں انسان کو انسانیت سے وابستگی کا سلیقہ بخشتی ہے اس لئے عبادت کا مقصد ایک بہت بڑے مقصد کی تکمیل ہے! اور وہ مقصد انسانیت کی تکمیل اور معراج سے بڑھ کر ممکن نہیں۔

اب ہمارے ماحول میں پھر خاموشی تھی شب گہری ہو چکی تھی مگر میرا ذہن ابھی تک سوچ اور فکر سے روشن تھا! سوچ اور فکر کے اس تسلسل کو قائم رکھتے ہوئے میں نے اس سے کہا کہ اے بشر!

کیا تو میرے لئے شب بھر ٹھہرنے کا انتظام کر سکتا ہے!

وہ بولا! آؤ تم میرے بستر پر لیٹ جاؤ اور وہ خود زمین پر دراز ہو گیا مجھے جلدی محسوس ہو گیا کہ وہ سو چکا ہے! مگر میری آنکھوں میں نیند کہاں مجھے ایسے محسوس ہو رہا تھا جیسے میں زندگی کی آخری ساعتوں سے گزر رہا ہوں میں شب بھر اپنی عمر بھر کی تلاش کا جائزہ لیتا رہا سوچ اور فکر نے میرے بوڑھے وجود کو اب تک گھیرا ہوا تھا اور مجھے ایسے محسوس ہو رہا تھا جیسے کسی سوکھی لکڑی کو آگ نے گھیر رکھا ہو! نجانے میں سوچوں کے اس الاؤ میں کب تک سلگتا رہا کہ اتنے میں میں نے کھڑکی سے دیکھا کہ صبح کی اولین کرنیں میری کمزور آنکھوں کو روشنی بخش رہی تھیں لیکن یہ روشنی میرے وجود کے اندھیروں کو منور نہ کر سکی اور مجھے اس گھڑی ایسے محسوس ہوا کہ جیسے میں مرنے والا ہوں اور موت میرے اردگرد کہیں بھٹک رہی ہے تب میں نے اسی لمحے دیکھا کہ میرا میزبان بھی جاگ اٹھا ہے اسنے اٹھتے ہی میری خیریت دریافت کی میں نے اسے اپنے پاس بلایا اور میں نے اس سے کہا کہ! اے بشر مجھے ایسے لگ رہا ہے کہ جیسے میں آج مر جاؤں گا اور اپنی اس موت کا مجھے دکھ نہیں کہ میں نے اپنی تمام زندگی ایک مقصد پر نثار کر دی ہے! میری تمام زندگی حق اور سچائی کی تلاش میں گزری ہے گو آج بستر مرگ پہ مجھے اس امر کا احساس ہو رہا ہے کہ جس سچائی کو میں لوگوں کے ذریعے ڈھونڈنا چاہتا تھا وہ سچائی درحقیت انسانوں میں گم انسانیت میں پنہاں تھی بہر طور یہ جان لینا ہی میرے نزدیک میری تمام عمر کا حاصل ہے اس لئے میں نہیں سمجھتا کہ میری زندگی ضائع ہو گئی ہے پھر میں ایک لمبی سی آہ بھر کر اس سے مخاطب ہوا کہ اے بشر میری یہ باتیں یاد رکھنا اور انہیں لوگوں کو بتاتے رہنا کہ میں جو باتیں اب کرنے لگا ہوں میری عمر بھر کا حاصل ہیں پھر کچھ دیر کے لئے خاموشی چھائی اور پھر میں خود ہی اس سکوت کو توڑتے ہوئے بولا مجھے یاد ہے کہ میں اپنے موروثی عقیدے میں اولین تزلزل کے باعث خدا کی

تلاش میں سرگرداں ہوا تھا یہ سوچ کر کہ میں اپنے اس موروثی عقیدے کو بنیاد بنا کر خدا کو تلاش کروں گا اسی کی بنائی ہوئی مخلوق میں کہ حقیقت میں خدا کی حقیقت تک انسانی عقل کے ذریعے پہنچ چاہتا تھا کہ اسے کسی عقیدے کی بجائے کسی منطق میں تلاش کیا جائے تاکہ خدا کے وجود کو انسانی عقل کے ذریعے تسلیم کیا جائے ورنہ خدا کے اس تصور کو خدا کا عدم قرار دے دیا جائے۔ اس لئے میں نے خدا کو اس کی صفات کی وحدت کے حوالے سے ڈھونڈنا شروع کیا کہ اس طریقہ سے میں خدا کی ذات کے تمام پہلوؤں کو زیر بحث لانا چاہتا تھا کہ خدا کے تصور کو یا حقیقت سمجھ لیا جائے یا عدم اسی سوچ اور اسی یقین سے کہ خدا یا تو تمام صفات کے ساتھ موجود ہے یا پھر ایک بھی صفت کی عدم موجودگی میں عدم ہے!

میں مختلف لوگوں سے ملا اور ان سے خدا کی صفات کے حوالے سے بات کی۔ ہر بشر اپنے حوالے سے خدا کو ثابت کرنے کی کوشش کرتا تھا تصورات کے انہی تضادات نے مجھے خدا کی تلاش پر گامزن رکھا اور وہ بات جو کبھی میرے لئے بے چینی کا باعث تھی کہ خدا کا ایک ہمہ گیر تصور کیوں نہیں ملتا اس کی حقیقت آج جانا ہوں کہ خدا کا ہمہ گیر تصور انہی تصورات میں موجود تھا اور وہ یہ کہ ہر بشر اپنی سوچ کے مطابق کسی اپنے سے اعلیٰ قوت کو ضرور مانتا تھا اور درحقیقت خود سے اعلیٰ کسی قوت کا تصور ہی خدا کی صفات کی وحدت ہے اور آج اس بات پر میرے وجود کی تمام قوتوں کا کامل یقین ہے!

خدا کی تلاش میں میں نے خدا کے عدم پر بھی بھرپور بحث کی مگر مجھے یہ جان کر حیرت ہوئی کہ خدا کو عدم ثابت کرنا خدا کو ثابت کرنے سے بھی مشکل تھا اور آج میں اس حقیقت تک پہنچ چکا ہوں کہ جس طرح ایک خاندان کا تصور ایک باپ کے بناء ممکن نہیں اسی طرح اس کائنات کا تصور کسی عالمگیر قوت کے بنا ممکن نہیں اگر آج کے دور میں ہمیں نظر آنے والی ہر چیز انسان کی تخلیق نظر آتی ہے اور کوئی بھی چیز انسانی سوچ اور عمل کے بغیر نہیں بن سکتی تو وہ چیزیں جو انسان نے تخلیق نہیں کیں تو پھر یہ کیسے مانا جاسکتا ہے کہ وہ خود بخود بن گئیں۔ انسان کی تخلیق قوتوں کو جانتے ہوئے یہ بات اور بھی واضح ہو جاتی ہے کہ کوئی ایسی قوت بھی ہے جس نے وہ تمام چیزیں تخلیق کی ہیں جو انسان نے تخلیق نہیں کیں کہ جس طرح انسان ایک ایسی مشین بناتا ہے جو اپنی ہیئت سے ہٹ کر مختلف انواع کی چیزیں بنائی ہیں اسی طرح خدا نے انسان سمیت کئی ایسی چیزیں یا مشینیں بنائی ہیں جنہوں نے آگے بے شمار چیزیں بنائی ہیں اور آج جبکہ میں ایک طویل سفر کے بعد خدا کو منطقی انداز سے ماننے کے انجام کو پہنچا ہوں تو میں اس تسلیم شدہ حقیقت کو صرف خدا کے نام سے نہیں بلکہ ایک

ہمگیر و ہمہ گیر قوت کے حوالے اور وحدت سے مانتا ہوں مگر اس کے برعکس اس نتیجے پر بھی پہنچا ہوں کہ خدا اپنی تمام حقیقتوں کے باوجود آج کے اس انسانی نظام میں جسے بنانے میں انسان بااختیار تو ہے لیکن حق بجانب نہیں اور وہ نظام ہر وہ نظام ہے جس میں انسان کا احترام نہیں اس کی عظمت کا اعتراف نہیں جس میں انسان کے پاس ننگ بھوک اور بیماری ہے جس میں انسان کی حقیقت اسی کی بنائی ہوئی مشینوں تلے کچل دی گئی ہے۔ جس طرح خدا کی بنائی ہوئی کائنات میں اسی کے تقدس کو پامال کیا جارہا ہے! جس میں چند انسانوں نے اپنی آزادی کی خاطر سینکڑوں لوگوں کی آزادی سلب کر لی ہے! جس میں انصاف ملتا نہیں بلکہ انصاف بکتا ہے جہاں جرم کو ختم نہیں کیا جاتا مجرم کو ختم کیا جاتا ہے۔ جس میں جسم بکتا اور دل تڑپتا ہے جس میں کسی بھی مذہب کی تفسیریں حالات تحریر کرتے ہیں۔ جس میں انسانیت کا درس ایک تجارت ہے جس میں مذہبی پیشوا اپنے پیٹ کی خاطر انسانیت کا ضمیر بیچ دیتے ہیں جس میں انسان انسان سے نہیں ملکوں، قوموں، عہدوں اور طبقوں سے پہچانا جاتا ہے!

ہاں خدا ہرگز ایسے ماحول کی تخلیق میں شامل نہیں ہوسکتا! جو خدا سے تمام محبت بھر جذبے چھین لے وہ جذبے جو خدا نے انسان کی تخلیق میں صرف کر دیئے! خدا یقیناً" اس ماحول اور نظام کا شریک نہیں مگر وہ اس ماحول کو دیکھ رہا ہے اس یقین سے کہ ابھی انسان اتنا نہیں بگڑا کہ اس کے لئے سنورنا ناممکن ہو اور جب خدا کا انسان سے بھلائی کی امید کا جذبہ ختم ہوگیا تو شاید وہی دن ہماری دنیا کا آخری دن ہوگا جب خدا انسان سے سب اختیار چھین لے گا اور تب صرف اس کا اختیار ہوگا اور تب وہ انسانوں سے پوچھے گا کہ اس نے انسانوں کے ساتھ کیا کیا اور تب انسان تو نہیں فرشتے بولیں گے کہ ---! انسان نے انسان کے لئے ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم بنائے جنہوں نے ہر چیز کو تباہ کر دیا!

پھر میں کچھ دیر کے لئے خاموش ہوگیا! اور پھر جیسے اپنی لرزتی ہوئی قوتوں کو آخری بار جمع کرتے ہوئے پھر بولا۔ یقیناً" ہمیں انسان کے اس نظام کو بدلنے کیلئے جنگ کرنی ہوگی جس میں ظلم، استحصال، ننگ، بھوک اور بیماریاں ہیں۔ ہمیں اس نظام کو بدلنا ہوگا۔ جس میں خدا نہیں رہتا۔ ہاں ہمیں اس نظام کو بدلنا ہوگا۔ جس میں اچھائیوں کی وہ وحدت وہ قوت نہیں رہتی جسے انسانیت سے عشق ہے۔ اور جو انسانوں میں انسانیت کی تکمیل چاہتی ہے کہ جس طرح ہم کسی نجاست آلود جگہ پر اپنی کوئی عبادت نہیں کرتے کہ پاکیزہ جگہ عبادت کا پہلا تقاضا ہے کیونکہ عبادت ایک پاکیزہ عمل ہے۔ اسی طرح خدا کو بھی اس نجاست زدہ زمین پر ملنا ممکن نہیں کہ خدا پاکیزگیوں کی انتہا ہے جس سے ملنے کے لئے ہمیں اپنی زمین کو تمام

برائیوں سے پاک کرنا ہے کہ جس طرح ہم عبادت کرنے سے پہلے عبادت والی جگہ کو پاک اور صاف کرتے ہیں جسے ہم یاد کرنے کے لئے اپنے جسم لباس اور جگہ کو صاف کرتے ہیں تو لازم اس ہستی کو اس زمین پہ ملنے کے لئے اس زمین کو بھی ہر طرح کی برائی اور نجاست سے صاف کرنا ہو گا اور خود کو انسانیت سے سانچے میں ڈھالنا ہو گا۔

اور اس کے بعد جیسے میری زندگی اپنے تمام لفظ پورے کر چکی تھی اس لئے اور کچھ نہ بول سکا میرے لفظ ختم ہوئے تو میری سانسیں بھی میرا ساتھ چھوڑنے لگیں اور آخر میں مرگیا میری روح جب میرے جسم سے نکل رہی تھی تو اس نے میرے پاس بیٹھے ہوئے شخص کے یہ الفاظ سنے کہ ۔!

ہاں ہمیں اس سچے اور حقیقی خدا کو زمین پہ لانا ہو گا جو تمام اچھائیوں کا سرچشمہ اور تمام انسانوں کا حقیقی دوست ہے۔ اور اس کے لئے ہمیں لڑنا ہو گا۔ ہر ظلم اور نا انصافی کے خلاف کہ جس نے انسان سے اس کی عظمت چھین لی ہے۔

ہاں ہمیں اس زمین پر حقیقی خدا کی واپسی کی ضرورت ہے اور ہم اس خدا کو اس زمین پہ ضرور واپس لائیں گے۔ کہ خدا کو اس زمین پہ واپس لانے کی جنگ درحقیقت انسانیت کی بقاء کی جنگ ہے۔!

میری عمر سترہ سال تھی اور میں گورنمنٹ کالج لاہور میں پڑھتا تھا جب میں نے پہلی کتاب "خدا کی تلاش میں" لکھی، اب میں اس عمر کے دگنا سے بھی کچھ زیادہ ہوں۔ مگر میں نے اپنی زندگی کے دوسرے سترہ سال ذہن کے تناؤ اور بدن کے کھچاؤ کے حساب سے صدیوں میں گزارے ہیں، وقت کی اکائی محسوسات کی شدت میں اپنے پیمانے بدل دیتی ہے۔ طبعی عمر میں جینے والے لوگ صرف جسم کی تلاش میں رہتے ہیں اس لئے ہمیں زندگی میں جسم ہی ملتے ہیں ذہن نہیں۔

میرے وجود کی دلیل تو بس اک ذہن ہوا، یہ میرے ساتھ اور کتنے لوگوں کا المیہ ہے۔ یہ میں نہیں جانتا مگر اتنا جانتا ہوں کہ اس المیئے کا شمار وہ لوگ کبھی نہیں کر سکتے جو انسان کو اس کے ذہن کے بغیر ماپتے ہیں۔۔۔!

میں نے اس کتاب میں کہیں لکھا ہے کہ "اے خدا! تو جو میری امکانی وسعتوں میں بہت دور تک پھیلا ہوا ہے میں یقین کی وادیوں میں تیرا استقبال کرنا چاہتا ہوں۔" اگر آپ بھی ایسا ہی سمجھتے ہیں تو ہمارا مسئلہ ایک ہی ہے ہم لوگ چھوٹے ہی سہی لیکن اگر ہم اپنے قد میں اپنا ذہن بھی شامل کرلیں تو مجھے یقین ہے کہ طاقتور ہاتھ اور مضبوط جسم بھی ہمیں نہیں ماپ سکتے۔

آغا نوید